Fathers and Sons

IVAN SERGEYEVICH TURGENEV

شاہین پبلشرز

کی

ہر تلخیص دریا بہ حباب اندر ہے۔ ہر تلخیص میں اصل کتاب کے تمام محاسن برقرار رکھے جاتے ہیں۔ جامعیت میں کوئی کمی نہیں آنے دی جاتی۔ واقعات، تفصیلات اور جزئیات کی قطع و برید کہیں بھی عمل میں نہیں لائی جاتی۔

باپ اور بیٹے

تورگنیف

کے

مشہور ناول فادرز اینڈ سنز کی تلخیص

تلخیص نگار
مخمور جالندھری

پہلی بار

ایک ہزار

قیمت

عمر

باہتمام آغا حفیظ اللہ جنرل برقی پریس میں چھپی اور
گوربخش سنگھ نے ادب کدہ چھاؤنی جالندھر سے شائع کی

پیش لفظ

روس میں اچھی کتاب کے چھپنے پر اسے بہت اہمیت دی جاتی ہے لیکن روس کی ادبی تاریخ میں اتنا ہنگامہ کبھی بپا نہیں ہوا تھا جتنا کہ تورگنیف کے ناول "باپ اور بیٹے" کی اشاعت پر ہوا۔ تصوریت اور روحانیت پرستوں اور جدت پسندوں اور حقیقت پرستوں کے درمیان جو خلا پیدا ہوگیا تھا اس ناول نے اسے اور بھی وسیع کردیا۔ مصنف کی تعریف بھی کی گئی اور مذمت بھی۔ دوستوں کی طرف سے مذمت کی گئی اور دشمنوں کی طرف سے تعریف۔ تورگنیف نے تعریف و مذمت دونوں سے احتراز کیا جیسے وہ بھاری ضربیں تھیں۔ جن لوگوں کی زندگی میں وہ برابر کا شریک تھا۔ جن کے سماجی خیالات کا خدمتگزار رہا تھا جب انہوں نے ہی اسے غلط سمجھا تو اس کا رنجیدہ ہونا ضروری تھا۔ کتاب کے معاندانہ خیر مقدم نے اس پر ایسی مایوسی طاری کی کہ وہ دیر تک اس سے عہدہ برآ نہ ہو سکا۔ وہ خلوت پسند ہوگیا۔ چھ سال تک اسکا قلم بیکار رہا۔ روس کے محبوب فن کار کے شاہکار کی اشاعت پر اس کی زندگی میں تباہی نازل ہوگئی۔

اپنے عہد کا صحیح ترجمان ہونا، واقعات، رجحانات اور خیالات کی بے لاگ مصوری کرنا جس سے سماج کی تصویر آنکھوں میں پھر جائے ایک مصنف کو تخلیقی فن کاروں کی صف میں لے آنے کے لیئے کافی ہے۔ تورگنیف بھی اسی قسم کا مصو

ہے۔ تورگنیف مصور سے بھی زیادہ بڑا ہے۔ تورگنیف نے بدلتی ہوئی زندگی کی مکمل تصویر کھینچی حالانکہ وہ عہد ابھی ادھورا تھا۔ اور جو اشخاص اس عہد کی تعمیر میں حصہ لے رہے تھے ابھی اس کی نمایاں خصوصیات سے آگاہ نہیں ہوئے تھے۔ تورگنیف اس اعتبار سے نہ صرف تاریخی عصر کا ترجمان تھا بلکہ اس کا معمار بھی تھا۔ اس نے جو کچھ لکھا اگر وہ اس کو پیدا نہ کر سکا تو کم سے کم اس نے اس دور میں آنے والی نئی کروٹ کو تیز تر کر دیا۔

تورگنیف کی یہ خصوصیت اس کے ناول "باپ اور بیٹے" میں انتہا پر ہے۔ جب ناول پہلی مرتبہ ۱۸۶۲ء میں چھپا تو ہیرو بیزروف کا کردار اور خیالات و رجحانات جو اس نے اس میں قلمبند کیے روسی سماج کے علمبردار تھے۔ روسی سماج اس وقت منکرِ مذہب بنتا جا رہا تھا۔ تورگنیف کا تیر نشانے پر بیٹھا تھا۔ اس نے بعد میں لکھا ہر شخص کے لبوں پر اس وقت "نہالیت" کی تحریک کا تذکرہ تھا۔ اس کا ہیرو بیزروف اس تحریک کا علمبردار تھا وہ تحریک اس وقت کے روس کی جان تھی۔ اس عہد کے بہت بڑے تنقید نگار پیزارف نے لکھا کہ بیزروف کے کردار میں اس وقت روس کی نوجوان نسل کی روح تھی۔ روس میں نہالیت کی تحریک اس وقت زوروں پر تھی۔ یہی وجہ ہے کہ "باپ اور بیٹے" کی اشاعت پر روس متحیر رہ گیا کیونکہ بیزروف بعض کے نزدیک ایک نیا انکشاف معلوم ہوا اور دوسروں کے نزدیک نوجوان روس پر بہتان ثابت ہوا۔

تورگنیف کے حسب ذیل بیان سے اس بات پر روشنی پڑتی ہے کہ اسے اس ناول کا تخیل کہاں سے سوجھا۔ اس کی طرزِ تحریر پر بھی اس بیان سے روشنی پڑتی ہے۔ "میں ڈیونز کے چھوٹے سے قصبے مینج وائٹ کے جزیرے میں واقع ہے سمندر میں نہا رہا تھا" وہ لکھتا ہے۔ "یہ ۱۸۶۰ء اگست کے مہینے کی بات تھی۔ مَیں نے کسی عقیدے کو تسلیم نہ کیا۔

جب "باپ اور بیٹے" کا پہلا خیال میرے ذہن میں آیا۔ خدا کا شکر ہے کہ نئی پود کا ردِّ عمل یہ اب اس ناول کے بارے میں اتنا کرخت نہیں رہا۔ مجھے اعتراف کر لینا چاہیے کہ میں نے جو کردار اس ناول میں پیش کیا ہے وہ ایک زندہ ہستی کا عکس ہے جس میں مختلف عناصر ہم آہنگ ہو کر رہ گئے تھے۔ میں ہمیشہ بنیاد کی تلاش میں رہا ہوں جس پر اپنی تخلیقی عمارت کھڑی کر سکوں۔ "باپ اور بیٹے" کے سلسلے میں بھی یہی تلاش پیشِ نظر تھی۔ بیزروف کے بھیس میں دراصل ایک ڈاکٹر تھا۔ اس ڈاکٹر میں میری آنکھوں کے سامنے "نہالیت" کے جراثیم نشو و نما پا رہے تھے۔ ڈاکٹر کی شخصیت نے مجھے بیحد متاثر کیا۔ پہلے پہل تو میں اسے سمجھ نہ سکا میری آنکھیں دیکھنے لگیں۔ میرے کان پک گئے۔ میں گرد و پیش کا مطالعہ کر رہا تھا۔ میری نظر اپنے ماحول پر تھی۔ جیسے میں اپنے محسوسات کا آپ امتحان لے رہا تھا۔ ایک چیز جو مجھے پریشان کر رہی تھی یہ تھی کہ مجھے کوئی بات "قابلِ قبول" نظر نہیں آ رہی تھی۔ چند ہفتوں تک تو میں نے اس خیال کو نظر انداز کر دیا لیکن پیرس واپس آنے کے بعد اس خیال کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں مصروف ہو گیا۔ میرے ذہن میں افسانہ مکمل ہو چکا تھا۔ میں نے سردیوں میں ابتدائی ابواب لکھ لئے اور روس میں جولائی کے مہینے میں اس ناول کو ختم کر دیا۔ میں نے یہ ناول دوستوں کو پڑھ کر سنایا۔ ان سے مشورہ لیا۔ ترمیم و اضافہ کی نوبت بھی آئی۔ فروری ۱۸۶۲ء میں ناول "باپ اور بیٹے" روس کے مشہور جریدے "روسی پیغامبر" میں شائع ہوا۔

ناول "باپ اور بیٹے" ۱۸۶۰ء کے نوجوان روس کے رجحانات کی تفسیر ہے جو ہیرو بیزروف کے کردار کے ذریعے کی گئی ہے۔ ان رجحانات کو "نہالیت" کا نام دیا گیا ہے۔ نہالسیٹ کے معنی ان دنوں کچھ اور تھے اور آج اس کے معنی

کچھ اور ہیں۔ تورگنیف کا "نہالسی" دہشت پسند نہیں تھا ' نہالسی' کی تعریف ناول میں بیزروف کے شاگرد ارکیڈی کی زبان سے خوب ادا کروائی گئی ہے۔ "ایک نہالسی" آرکیڈی کہتا ہے۔ (۱) وہ شخص ہے جو کسی عقیدے کے آگے سر نہیں جھکاتا ہے کسی حکم و فرمان کا تابع نہیں۔ جو کسی اصول کو اعتقاد تصور نہیں کرتا۔ چاہے اس عقیدے میں کتنا ہی احترام کیوں نہ ہو" فی الحقیقت نہالسی سائنس کی روح ہے وہ ہر چیز کو تشکیک کی نگاہوں سے دیکھتا ہے وہ حقائق کی روشنی میں ہر چیز کو دیکھتا ہے اسے پرکھتا ہے۔ اسے ٹھونک بجا کر دیکھتا ہے اور جو چیز اس کے امتحان پر پوری نہیں اترتی اسے مسترد کر دیتا ہے۔ اسی لئے نہالسی اکثر اوقات ایک روحِ منفی بن جاتا ہے۔

نہالسی فلسفے نے قدرتی طور پر بوڑھوں اور نوجوانوں میں ایک دیوار حائل کر دی۔ مہربان' شریف النفس اور جذباتی نکولائی پیڑووچ جسے مناظرِ فطرت موسیقی اور شاعری سے عشق ہے۔ جو پشکن کے اشعار کا حوالہ دیتا ہے وہ بیزروف اور اپنے بیٹے آرکیڈی کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے لیکن سمجھ نہیں سکتا۔ پافل پیڑووچ اس کا بھائی آدابِ مجلس کا پابند سختی سے اپنے طبقے اور اپنی جماعت سے لپٹا رہتا ہے۔ بیزروف اور نہالسیت کے متعلق اس کا رویہ معاندانہ رہتا ہے۔ وہ ابتدا ہی سے بیزروف سے نفرت کرتا ہے۔ اس کا عناد انتہا پر پہنچ جاتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دونوں میں جھگڑا ہوتا ہے۔

تورگنیف کی ہمدردی انتہا پسند روسی اذہان سے تھی اس لئے وہ بیزروف کو ناپسندیدہ حالات میں کیونکر پیش کر سکتا تھا۔ لیکن تورگنیف فن کار بھی تھا۔ اسے پروپیگنڈے سے کیونکر دلچسپی ہو سکتی تھی۔ بیزروف میں دل پسند خوبیاں تھیں۔ انہیں اجاگر نہ کرنا نہایت بے انصافی تھی۔ اس نے خوبیوں کو چھپانے

کی اور عیوب کو نمایاں کرنے کی کوشش نہ کی۔ اس نے ناول کے ہیرو کے دونو پہلو روشن کیئے۔ اس نے خلوص کے ساتھ اس کے کردار کی مصوری کی، اس کی خشک مزاجی، سنگدلی، کرختگی اور گستاخی پر اس نے پردہ نہ ڈالا۔ اس نے اس کو اسی طرح پیش کیا جس طرح کہ اسے پیش کیا جا سکتا تھا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ قدامت پرستوں نے اس کتاب کو نوجوان نسل پر ایک طنز سمجھا اور اس کتاب پر بے پناہ داد دے کر تورگنیف کو ہراساں کر دیا۔ وہ اپنی گھبراہٹ کا ذکر یوں کرتا ہے کہ وہ لوگ اس کی گردن پر سوار ہو کر اسے بوسہ دینا چاہتے تھے۔ دوسری طرف اس کے اپنے دوست یعنی نئی پود کے افراد جن کی داد کا وہ طالب تھا اس کے پیچھے پنجے جھاڑ کر پڑ گئے۔ انہوں نے بیزروف کے کردار کو بے روح ڈھانچہ قرار دیا اور کتاب کو ترقی پسند عصری رجحانات پر کڑی تضحیک تصور کیا۔ تورگنیف کے آرٹ کو اس وقت عروج حاصل ہوا جب اس نے اپنے ما حصل کو واضح کیا ہیئت کی ہم آہنگی اور ذاتی مفاد کچھ اس خوش اسلوبی سے آپس میں سموئے گئے ہیں کہ معجزہ معلوم ہوتے ہیں۔ اگر کوئی ادھورا فن کار یہ ناول لکھتا تو کرداروں کی تمام خوبیاں فوت ہو جاتیں بیزروف کا پہلا ہی اظہار خیال ایک سخت ضرب کی طرح پڑتا ہے۔ نکولائی پتروویچ جب پشکن کے کسی شعر کا حوالہ دیتا ہے۔ بیزروف منہ بنا کر دیا سلائی مانگتا ہے۔ یہ ٹھیک ایسا ہے کہ اس پر ناول کے بنیادی خیال کا دارو مدار ہے۔ اس سے نئی پود کی حقیقت پسندی اور بوڑھوں کی جذباتیت کے درمیان جو تناؤ ہے عریاں ہو جاتا ہے۔ تورگنیف نہ صرف انسانی مفاد کو قائم رکھ سکا ہے بلکہ ایک ایسا کردار تخلیق کرنے میں کامیاب ہو چکا ہے کہ اس کی مثال ادب میں نہیں ملتی۔ نطشے فوق الفطرت انسان کے بارے میں اپنے فلسفے

کا زور لگاتا رہا ہے۔ لیکن اپنے شاعرانہ تخیل اور اپنے زورِ بیان کے باوجود وہ گوشت پوست کا زندہ اور مافوق الفطرت انسان پیدا نہ کر سکا جو بزروف کی طرح زندگی کا ثبوت دیتا ہے۔ بزروف کی ہمہ گیر شخصیت ہر صفحے پر ماحول کو مرتعش کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔ وہ ابھی کتاب میں ظاہر بھی نہیں ہونے پاتا مگر اس کے قدموں کی آہٹ کے پڑھنے والے منتظر رہتے ہیں تھیئیٹر کے سامعین کی طرح جو سب سے بڑے ایکٹر کے دم بخود منتظر رہتے ہیں۔ آخر میں جب وہ ظاہر ہوتا ہے تو ہماری توقعات کو صدمہ نہیں پہنچتا۔ اور جب میں کسی ایسے شخص سے ملوں گا" بزروف کہتا ہے "جو میرے آپ پر میرے علاوہ قابو رکھ سکے گا تو پھر میں اپنے متعلق اپنی رائے بدل لوں گا۔" اور میرا خیال ہے کہ پڑھنے والا اس سے اتفاق کرے گا۔ تورگنیف کی ناول کا ہیرو ان لوگوں کے دلوں کو واقعی موہ لے گا جو مشاہیر پرست ہیں۔

"ٹامس سلیزر"

باپ اور بیٹے

"پی آر ابھی تک وہ نظر نہیں آئے؟" یہ ایک سوال تھا جو ۲۵ مئی ۱۸۵۹ء کے دن ایک چالیس سالہ شخص کی طرف سے کیا گیا جس نے گرد سے اٹا ہوا کوٹ اور دھاری دار پتلون پہنی ہوئی تھی۔ جو تنگے سر گھوڑے بدلنے کی سرائے سے باہر نکل آیا تھا۔ وہ اپنے نوکر سے مخاطب تھا۔ اس کا نوکر جوان تھا جس کی ٹھوڑی میں سپید گڑھا تھا اور جس کی آنکھیں دھندلی دھندلی تھیں ملازم۔ کانوں میں بالیاں پہنے ہوئے۔ بالوں کو چکنا ہٹ سے چمکائے ہوئے۔ اپنی نقل و حرکت میں شائستگی لئے ہوئے نئی پود کا فرد معلوم ہوتا تھا۔ اس نے غور سے سڑک کی طرف دیکھا اور جواب دیا۔

"نہیں حضور ابھی تک تو نظر نہیں آئے۔"

"نظر نہیں آئے۔"

"نہیں حضور" اس نے جواب دیا۔

اس کے آقا نے سرد آہ بھری اور چھوٹی سی بنچ پر بیٹھ گیا۔ جب تک وہ بیٹھا ہوا ہے جب تک ہم پڑھنے والوں سے اس کا تعارف کرواتے ہیں۔

اس کا نام نکولائی پیٹرووچ کرسانف تھا۔ گھوڑے تبدیل کرنے کی سرائے سے بارہ میل دور اس کی جائداد واقع تھی۔ وہ دوسو افراد کا واحد مالک تھا۔ (کیونکہ وہ اپنے آپ کو یونہی ظاہر کیا کرتا تھا) جب سے اس نے اپنی زمین کی

تقسیم کا کسانوں کے ساتھ بندوبست کر لیا تھا۔ اس نے پانچ ہزار ایکڑ پر مشتمل ایک کھیت کا کام شروع کر دیا تھا۔ اس کا باپ فوج میں جرنیل تھا اور ۱۸۱۳ء تک فوجی خدمت انجام دیتا رہا تھا۔ وہ ایک خشک مزاج اور نیم تعلیم یافتہ شخص تھا۔ وہ طبیعت کا برا نہیں تھا۔ وہ ایک مثالی روسی تھا۔ زندگی کے جھگڑے میں بیل کی طرح جتا رہا تھا۔ پہلے وہ ایک بریگیڈ کی کمان کرتا رہا تھا اور پھر پورے ڈویژن کی۔ زیادہ تر اس کی زندگی صوبوں میں گذری تھی جہاں اپنے منصب کی بدولت اسے کافی اہمیت حاصل رہی تھی۔ نکولائی پیٹرو وچ اپنے بڑے بھائی پافل کی طرح جنوبی روس میں پیدا ہوا تھا۔ اس کی تعلیم و تربیت گھر پر ہوئی تھی۔ سستی قسم کے اتالیق اسے چودہ سال تک گھر پر ہی پڑھاتے رہے تھے۔ اس کی ماں کولیازن کنبے میں سے تھی۔ اپنے کنبے میں وہ اگاتھا کے نام سے مشہور تھی لیکن جرنیل کی بیوی بننے پر اگتھکولیا کوزفیشا کرسانف کہلائی۔ وہ اپنے فرائض کی فوجی بیوی کی طرح سختی سے پابند تھی۔ وہ شاندار ریشمی ملبوسات پہنتی تھی۔ کلیسا میں وہ سب سے پہلے صلیب کی طرف بڑھتی تھی۔ وہ بلند آواز میں باتیں کرتی تھی۔ صبح کے وقت اپنے بچوں کو اپنے ہاتھ پر بوسہ دینے کی اجازت بھی دے دیتی تھی۔ رات کے وقت وہ اپنے بچوں کے حق میں دعا بھی کیا کرتی تھی۔ اس نے زندگی سے بہت کچھ حاصل کیا۔ نکولائی پیٹرو وچ جرنیل کا بیٹا ہونے کی وجہ سے اپنے بھائی پافل کی طرح فوج میں بھرتی ہونا چاہتا تھا۔ جس دن اسے افسر کا عہدہ ملا اسی دن اس نے اپنی ٹانگ توڑ لی۔ دو مہینوں تک بستر میں پڑا رہا۔ اور مرتے دم تک لنگڑاتا رہا۔ اس کا باپ بھی اس کی طرف سے مایوس ہو گیا اور اس نے اسے غیر فوجی ملازمت کی اجازت دیدی۔ جب وہ اٹھارہ سال کا ہوا تو اس کا والد اسے پیٹرزبرگ میں لے گیا اور اسے یونیورسٹی میں

داخل کروا آیا۔ اس کے بڑے بھائی کو محافظ فوج میں افسر لے لیا گیا۔ اس طرح دونوں
بھائی ایک جگہ ایک ہی کمرے میں رہنے لگے۔ ان کا باپ اپنی بیوی کو لے کر واپس
فوجی صدر مقام میں چلا آیا اور انہیں کبھی کبھی طویل خط لکھنے لگا۔ خط کے آخر میں
بڑی احتیاط کے ساتھ وہ اپنا نام یوں لکھتا۔ "پی آر کر سانف میجر جنرل" ۱۸۴۲ء
میں نکولائی پیٹرو ضیع گریجویٹ ہو گیا۔ اسی سال جنرل کر سانف کو پنشن مل گئی۔
وہ اپنی بیوی کے ہمراہ پیٹرز برگ چلا آیا۔ وہ تفریحی باغات میں مکان خریدنے
ہی والا تھا کہ اس پر مرگی کا دورہ پڑا اور وہ مرگیا۔ نکولائی پیٹرو ضیع کی ماں نے
بھی اس کے والد کا بہت جلد ساتھ دیا۔ دراصل وہ دارالسلطنت کی زندگی سے
مانوس نہیں ہوئی تھی۔ اسی اثنا میں نکولائی پیٹرو ضیع اپنے والدین کی زندگی ہی میں
اپنے مالک مکان کی بیٹی کے عشق میں مبتلا ہو چکا تھا۔ وہ خوبصورت تھی اور
بڑی آزاد خیال تصور کی جاتی تھی۔ نکولائی نے اپنے والدین کے مرنے کے تھوڑے
عرصے بعد اس سے شادی کر لی۔ غیر فوجی ملازمت سے بھی سبکدوش ہو گیا اور دیہات
میں جا کر اپنی ماشا کے ساتھ زندگی بسر کرنے لگا۔ اس کے بعد وہ ایک قصبے میں
اٹھ گئے۔ طویل و عریض نشست گاہ، صاف ستھری سیڑھیاں۔ لیکن قصبے کے
اس مکان میں بھی اس کا دل نہ لگا۔ وہ دوبارہ دیہات میں واپس آ گیا۔ اور
آخر کار یہی فیصلہ ہوا کہ وہ دیہاتی زندگی بسر کریں گے۔ یہاں اس کے ہاں بیٹا
پیدا ہوا جس کا نام آرکیڈی رکھا گیا۔ نوجوان جوڑا امن پسند اور مسرت آگین
زندگی بسر کرتا رہا۔ وہ دونوں کبھی ایک دوسرے سے جدا نہ ہوتے۔ اکٹھے پڑھتے
اکٹھے سیر کو جاتے۔ پیانو پر مل کر گاتے۔ وہ پھولوں اور مرغی خانے کا خیال رکھتی
نکولائی شکار کو جاتا اور اپنی ملکیت کے معاملے میں مصروف رہتا۔ آرکیڈی
بڑھتا رہا۔ دس سال ایک سہانے خواب کی طرح گذر گئے۔ ۱۸۴۷ء میں

نکولائی پیٹروؤچ کی بیوی مر گئی۔ وہ اس صدمے کی تاب نہ لا سکا۔ چند ہفتوں کے اندر اندر اس کے بال سفید ہو گئے۔ وہ پردیس جانے کی سوچنے لگا۔ اس طرح ۱۸۴۸ء کا سال آ گیا۔ وہ اپنی مرضی کے خلاف دیہات میں ایک دفعہ پھر واپس آ گیا۔ اس نے اپنی زمین کی اصلاحات میں دلچسپی لینا شروع کر دی۔ ۱۸۵۵ء میں وہ اپنے بیٹے آرکیڈی کو یونیورسٹی میں لے آیا۔ تین سردیاں وہ اپنے بیٹے کے ساتھ پیٹرزبرگ میں رہا۔ وہ بمشکل گھر سے باہر نکلتا۔ آرکیڈی کے نوجوان دوستوں کے ساتھ بے تکلفی پیدا کرنے میں مصروف رہتا۔ پچھلی سردیوں میں وہ پیٹرزبرگ نہیں جا سکا تھا۔ ۱۸۵۹ء میں ہم اس کے بال سفید دیکھ رہے ہیں۔ وہ پہلے سے زیادہ فربہ اندام ہو گیا ہے۔ اس کی کمر میں خم بھی آ گیا ہے۔ وہ اپنے بیٹے کے انتظار میں ہے جو ڈگری کے حصول کے بعد گھر آ رہا ہے۔ کبھی اس نے بھی ڈگری حاصل کی تھی۔

ملازم اپنے آقا کی نظروں میں نہیں رہنا چاہتا تھا۔ اس لئے پھاٹک کے پاس جا کر تمباکو پی رہا تھا۔ نکولائی پیٹروؤچ نے سر جھکا لیا وہ الّو کی آنکھوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ایک بلی پاس سے گزری اس نے بھی پیٹروؤچ کو بری طرح گھورا۔ سورج آگ اگل رہا تھا۔ سایہ دار گلی میں سے رائی کی گرم گرم خوشبو آ رہی تھی۔ نکولائی پیٹروؤچ خواب دیکھنے لگا۔ "میرا بیٹا۔ ایک گریجویٹ ...... میرا ارکاشا ......" اس کے ذہن میں یہی خیالات چکر لگا رہے تھے۔ وہ کچھ اور بھی سوچنے لگا۔ اسے اپنی مرحوم بیوی یاد آ گئی "وہ آج کا دن دیکھنے کے لئے زندہ نہ رہی" ایک نرم و گداز کبوتر سڑک پر منڈلانے لگا۔ نکولائی پیٹروؤچ کبوتر کی طرف دیکھنے لگا۔ لیکن اسے یکایک پہیوں کے کھڑکھڑانے کی آواز سنائی دی۔

"معلوم ہوتا ہے وہ آ رہے ہیں" ملازم نے اعلان کیا۔

نکولائی پیڑ وچ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے اپنی آنکھیں سڑک کی طرف کر دیں۔ ایک تین گھوڑوں والی گاڑی نظر آئی۔ گاڑی میں اسے طالب علم کی ٹوپی کی نیلی پٹی دکھائی دی۔

" ارکاشا..... ارکاشا..... کرسانف چلایا - وہ اپنے ہاتھ ہلا رہا تھا۔ چند لمحوں کے بعد اس کے ہونٹ گرد سے لتے ہوئے اور سے ریش و بروت مگر جوان بیٹے کے گالوں پر چسپاں ہو چکے تھے۔

(۲)

" مجھے اپنے آپکو جھاڑ تو لینے دو ابا۔ میں تو تمھیں بھی گرد آلود کرتا جا رہا ہوں"۔ بیٹے نے کہا۔

"پروا نہ کرو پروا نہ کرو۔" نکولائی پیٹروچ دہرائے جا رہا تھا۔ "مجھے ذرا اپنی طرف دیکھنے تو دو"۔ وہ ایک قدم پیچھے ہٹا اور سرائے کے احاطے کی طرف چل دیا۔ اس نے کوچوان کو آواز دی۔ "گھوڑے لاؤ۔ جلد گھوڑے لاؤ"۔ نکولائی پیٹروچ اپنے بیٹے سے زیادہ گھبرایا ہوا تھا۔ آرکیڈی نے اسے روکا۔

" میں تمہارا تعارف اپنے گہرے دوست بزروف سے کروانا چاہتا ہوں۔ میں نے اس کے متعلق تمہیں خط میں بھی کئی مرتبہ لکھا ہے۔ اس نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ وہ ہمارے ہاں ٹھہرے گا"۔

نکولائی الٹے پاؤں واپس مڑا۔ وہ طویل القامت نوجوان کی طرف گھما۔ جو گاڑی میں سے ابھی ابھی نکل کر کھڑا ہوا تھا۔ اس نے اس کے ساتھ گرمجوشی سے مصافحہ کیا۔

" میں بہت خوش اور ممنون ہوں کہ تم نے ہمارے غریب خانے کو رونق افروز کرنے کا قصد کیا ہے۔ مجھے اپنا نام اور اپنے باپ کا نام تو بتاؤ"۔

" یافگنی وسلیف" بزروف نے جواب دیا۔ اس نے اپنے کوٹ کا کالر اٹھا دیا۔

تاکہ نکولائی اس کا چہرہ صاف طور پر دیکھ سکے۔ دبلا پتلا چہرہ تھا۔ چوڑا ماتھا۔ آگے سے پتلی اونچی پیچھے سے چپٹی ناک۔ بڑی بڑی سبز آنکھیں۔ مڑی ہوئی مونچھیں۔ اس کے چہرے پر تبسم کی روشنی تھی۔

"مجھے امید ہے کہ یا فگنی وسلیف تم ہمارے ہاں اداسی محسوس نہیں کرو گے۔"
بزروف کے ہونٹ ہلے مگر جلد ہی آپس میں پھر مل گئے۔ وہ ٹوپی اٹھا کر آداب بجا لایا۔

"آرکیڈی۔ آرکیڈی۔ تم آرام کرنا چاہتے ہو کہ ابھی ابھی چل دینا چاہتے ہو؟"

"فوراً چل دینا چاہتے ہیں۔"

"پی آٹر۔ پی آٹر۔ گاڑی تیار کرو۔ جلدی کرو۔"

پی آٹر نے سر جھکایا اور پھاٹک کی طرف چل دیا۔

"میں یہاں گاڑی میں آیا تھا۔ لیکن تمہاری کوچ کے لئے بھی تین گھوڑے موجود ہیں۔" نکولائی نے یونہی بات بنانے کی غرض سے کہا۔ آرکیڈی نے پانی پیا مگر بزروف سگریٹ سلگا چکا تھا۔ "گاڑی میں صرف دو ہی نشستیں ہیں میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہارا دوست کس طرح . . . . ."

"وہ کوچ میں چلا جائے گا۔" آرکیڈی نے جواب دیا۔ "تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں۔ وہ بہت سادہ مزاج ہے۔ تم خود دیکھ لو گے۔"

چند منٹوں میں گھوڑے جوت دئے گئے۔ باپ اور بیٹا گاڑی میں سوار ہو گئے اور بزروف کوچ میں۔ دونوں گاڑیاں چل پڑیں۔

——————(۳)——————

"آخرکار گریجویٹ ہو چکے ہو اور گھر بھی پہنچ گئے ہو۔" نکولائی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔

"چچا کا کیا حال ہے۔" آرکیڈی نے جذباتی گفتگو سے رسمی گفتگو کی طرف آتے ہوئے پوچھا
"اچھا ہے۔ وہ کل میرے ساتھ یہاں تمہیں لینے کے لئے آنا چاہتا تھا...."
"تم یہاں میرا انتظار کب سے کر رہے تھے؟"
"اوہ۔ پانچ گھنٹوں سے۔"
"آہ میرے ابا۔!" آرکیڈی نے گھوم کر اپنے باپ کے گالوں پر بوسہ دیا۔
"تمہارے لئے میں نے نفیس گھوڑا خریدا ہے۔ تمہارے کمرے کو خوب مزین کر دیا گیا ہے۔"
"بیزروف کے لئے بھی کوئی کمرہ ہے؟"
"اس کے لئے بھی کمرہ تیار ہو جائے گا۔"
"ضرور ابا۔ اس کے کمرے کا ضرور انتظام کر دینا۔"
"تمہارا وہ کوئی نیا دوست ہے پچھلی سردیوں میں آسے میں نے وہاں نہیں دیکھا تھا۔" نکولائی نے پوچھا۔" وہ کیا پڑھ رہا ہے؟"
"سائینس۔ لیکن وہ سب کچھ جانتا ہے۔ اگلے سال وہ ڈاکٹر بن جائیگا۔"
نکولائی چند لمحوں کے لئے خاموش رہا۔ پھر اپنے ہاتھ کو پھیلا کر بولا۔" وہ ہمارے کسان تو نہیں جا رہے؟"
پی آٹر نے اپنے آقا کے اشارے پر نظر دوڑائی اور جواب دیا۔" جی حضور۔"
"کہاں جا رہے ہیں۔ کیا قصبے کی طرف؟"
"جی ہاں۔ شراب خانے کی طرف جا رہے ہیں۔"
" مجھے اس سال کسانوں کے ہاتھوں بہت تکلیف اٹھانی پڑی ہے۔" نکولائی نے اپنے بیٹے سے کہا۔" وہ لگان نہیں دیتے کوئی کیا کرے؟"
" ابا کیا تم اپنے اجرتی مزدوروں سے مطمئن ہو؟"

"ہاں مصیبت یہ ہے کہ انہیں میرے خلاف ابھارا جاتا ہے۔ وہ اچھی طرح کام نہیں کرتے۔ اوزاروں کو خراب کر دیتے ہیں۔ مگر انھوں نے زمین پر ہل بڑی محنت سے چلایا ہے۔ کیا تمہیں بھی کھیتی باڑی کے کام میں دلچسپی ہے؟"

آرکیڈی نے بات ٹال دی۔ آدھ گھنٹہ تک گاڑی یونہی چلتی رہی۔ حتیٰ کہ گفتگو کا پھر آغاز ہوا۔

"تمہاری بوڑھی نرس یوفگرا فتادہ چکی ہے۔ شاید میں نے تمہیں لکھا بھی تھا۔"

نکولائی نے سلسلۂ کلام جاری کیا۔

"بہت افسوس ہے۔ پراکو فیچ زندہ ہے؟"

"ہاں۔ اسی طرح بڑبڑاتا رہتا ہے۔ ماریئنو میں تمہیں زیادہ تبدیلیاں نہیں نظر آئیں گی۔"

"کیا تمہارے ہاں اب بھی وہی پرانا زمینداروں کا کارندہ ہے؟"

"نہیں یہاں تبدیلی ضرور واقع ہوئی ہے۔ میں نے ڈھائی سو روبل سالانہ دے کر ملازم رکھا ہوں۔ میں نے پہلے کہا تھا کہ ماریئنو میں کوئی خاص تبدیلی نہیں آئی۔ لیکن یہ بات صحیح نہیں۔ میں دراصل تمہیں تیار کر رہا ہوں کہ ......" وہ ایک لمحہ کے لئے ہچکچایا اور لیا۔ "ایک سخت قسم کا اخلاق پسند میری اس بے باکی کو نہایت غیر موزوں قرار دیگا لیکن یہ ایک ایسی بات ہے جو چھپائی نہیں جا سکتی۔ اور اس کے علاوہ تم تو جانتے ہو کہ میں باپ اور بیٹے کے تعلق پر عجیب خیالات رکھتا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ تم مجھ پر الزام بھی لگاؤ گے۔ میں دراصل اس لڑکی کی بابت کہنا چاہتا ہوں جس کے متعلق تم شاید پہلے سے آگاہ ہو۔"

"فینچکا؟" آرکیڈی نے پوچھا۔

"اس کا نام بلند آواز میں نہ لو۔" باپ نے بیٹے کو تنبیہہ کی۔ "ہاں۔ اب نیچے

پاس رہتی ہے۔ میں اسے اپنے گھر میں لے آیا ہوں۔

"تمہارے دوست کے لئے اب تبدیلیاں کرنی پڑیں گی"۔

"گھبراؤ نہیں۔ بیزروف بہت آزاد خیال ہے"۔

"مگر تم بھی تو ہو...... مجھے تو شرم آرہی ہے"۔ باپ نے کہا۔

"ابا کیسی باتیں کرتے ہو۔ شرم کس بات کی۔ خدا کے لئے ایسی باتیں نہ کرو۔ مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے"۔ بیٹے نے وسیع القلبی کا ثبوت دیا۔

نکولائی نے ماتھے کو رگڑتے ہوئے کہا جیسے اسکے دل میں کوئی نشتر چبھا ہوا تھا۔ "وہ رہیں ہماری چراگاہیں۔" اس نے آہستگی سے کہا۔ "وہ رہا ہمارا جنگل! جنگل کے شہتیر اس سال میں نے بیچ دئے ہیں"۔

"کیوں"؟

"روپے کی ضرورت تھی۔ دوسرے یہ کہ زمین اب کسانوں کے سپرد ہونے والی تھی"

جس دیہاتی علاقے سے وہ گذر رہے تھے رنگین اور دلفریب نہیں تھا۔ جھاڑیاں تھیں سوکھے پیڑ تھے۔ اب وہ دونوں دو ندیوں کے قریب آگئے۔ جن کے کناروں پر چھوٹے چھوٹے گاؤں آباد تھے۔ جھکی ہوئی اور گری ہوئی چھتیں افلاس کے منظر کو مکمل کرنے کے لئے۔ جتنے بھی کسان آرکیڈی کو دکھائی دئے وہ چیتھڑوں میں ملبوس تھے۔ ننگی جھاڑیاں اور ٹنڈ منڈ پیڑ اس طرح معلوم ہوتے تھے جیسے بھک منگے قطار اندر قطار کھڑے ہوں۔ گائیں جنکی ہڈیاں نکلی ہوئی تھیں۔ بددلی سے گھاس پر منہ مار رہی تھیں۔ "یہ علاقہ دولت مند نہیں ہے"۔ آرکیڈی سوچ رہا تھا۔ "اصلاحات کی سخت ضرورت ہے لیکن کوئی ان اصلاحات کو نافذ کیونکر کر سکتا ہے"۔ یہ تھے آرکیڈی کے خیالات۔ گرم فضا میں ہر چیز روپہلی نظر آرہی تھی۔ آرکیڈی روپہلی گھاس اور سپیدار کو دیکھتا گیا۔ دیکھتا

گیا۔ اس کے خیالات ماند پڑتے گئے۔ اس نے اپنا کوٹ اتار دیا اور اپنے والد کی طرف مڑا۔

"اب ہم زیادہ دور نہیں۔ اس پہاڑی سے گذر کر گھر ہماری نگاہوں کے سامنے ہوگا۔ آرکاشا میرا خیال ہے کہ ہمارا نباہ مستقل ہوگا۔ مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔ ہم ایک دوسرے کے متعلق بہت کچھ سیکھیں گے۔"

"کیوں نہیں۔ کیوں نہیں۔"

"آرکیڈی! مجھے دیا سلائی تو بھجوانا۔ میرا پائپ بجھا ہوا ہے۔" بیزروف نے آواز دی۔ دیا سلائی کی ڈبیہ اسے بھجوا دی گئی۔

"سگار پیو گے؟" بیزروف چلایا۔

"شکریہ۔" آرکیڈی کو موٹا اور سیاہ سگار دے دیا گیا۔ وہ مزے سے اسے پینے لگا۔

پون گھنٹے کے بعد دونوں گاڑیاں لکڑی کے ایک مکان کے سامنے رکیں جس کا چھت لوہے کا تھا اور سرخ تھا۔ مکان کی لکڑیوں پر بھورا رنگ کیا ہوا تھا۔ یہ مارینو تھا۔ اس کا نام نیووِک بھی تھا۔ کسانوں نے اس کے نام کو بگاڑ کر مفلس کھیت کہنا شروع کر دیا تھا۔

—————(۴)—————

گھر کی سیڑھیوں کے سامنے غلام کسانوں کے گروہ نے ان کا خیر مقدم نہ کیا۔ بارہ سال کی ایک لڑکی ہی نمودار ہوئی۔ اس کے پیچھے ایک جوان لڑکا باہر آیا۔ یہ لڑکا پاول کرسانف کا ملازم تھا۔ اس نے منہ سے کچھ کہے بغیر دروازہ کھول دیا۔ باپ، بیٹا اور بیزروف خالی ہال کمرے میں داخل ہوئے۔ دروازے کے پیچھے سے انہیں ایک نوجوان عورت کے چہرے کی جھلک دکھائی دی۔ بیزروف نے

کھانے کا مطالبہ کیا۔ نکولائی نے اثبات میں سر ہلایا۔ اتنے میں ایک پتلا دبلا سفید بالوں والا ساٹھ سال کی عمر کا شخص کمرے میں داخل ہوا۔

"پیرا کو صحیح دیکھ لو میں لے کر آیا ہوں۔ تمہارا کیا خیال اب یہ کیسا دکھائی دیتا ہے؟" نکولائی نے سوال کیا۔

"اچھے نوجوان کی طرح معلوم ہوتا ہے"۔ بوڑھا کھسیانی ہنسی ہنسا۔ اس نے اپنے ابرو سکیڑے۔ "کھانا ابھی کھاؤگے؟"

"جی ہاں۔ لیکن یا فکنی و سلیعت کیا تم پہلے اپنے کمرے میں نہیں جاؤ گے؟ نکولائی نے پوچھا۔

"نہیں شکریہ۔ براہ کرم میرا سوٹ کیس اور یہ کوٹ میرے کمرے میں پہنچوا دیجئے"۔ اس نے اپنا کوٹ اتار دیا۔ بوڑھا وہ کوٹ اٹھا کر دبے پاؤں واپس چلا گیا"۔

آرکیڈی اپنے کمرے میں منہ دھونے چلا گیا۔ وہ دروازہ کے پاس پہنچا ہی تھا کہ ایک میانے قد کا شخص کمرے میں داخل ہوا۔ اس نے انگریزی سوٹ پہنا ہوا تھا۔ یہ پافل کرسانف تھا۔ آرکیڈی کا چچا۔ اس کی عمر پینتالیس برس کے قریب تھی۔ اس کے سپید بالوں پر سیاہی مائل چمک تھی۔ اس کا چہرہ جھریوں سے پاک تھا۔ اس کی آنکھیں بادامی تھیں۔ آرکیڈی کے چچا نے اپنی امیرانہ شان آج تک برقرار رکھی تھی اس نے انگریزی انداز میں مہمانوں کے ساتھ مصافحہ کیا۔ نکولائی نے اس کا تعارف بیزروف سے بھی کرایا۔ پافل نے اس کے ساتھ ہاتھ نہ ملایا۔ وہ صرف مسکرا دیا۔

"راستے میں تکلیف تو نہیں ہوئی"۔

"کوئی تکلیف نہیں ہوئی"۔ چند لمحوں کے بعد دونوں نوجوان ہال کمرے سے اٹھ کر چلے گئے۔

"یہ کون ہے؟" پافل نے اپنے بھائی سے پوچھا۔

"آرکیڈی کا دوست ہے اور اسکے کہنے کے مطابق بہت ہوشیار اور چالاک شخص ہے"
"کیا وہ ہمارے پاس رہے گا۔"
"ہاں۔"
"میں خوش ہوں کہ آرکیڈی گھر آگیا۔"
کھانے کے دوران میں بہت کم گفتگو ہوئی۔ بیزروف خاص طور پر خاموش رہا۔ وہ کھانے میں مشغول تھا۔ نکولائی نے اپنی کسانی زندگی کے بہت سے واقعات سنائے۔ پافل کھانے کے کمرے میں چہل قدمی کرتا رہا۔ وہ سرخ شراب پیتا رہا تھا۔ آرکیڈی نے پیٹرزبرگ کی متعدد خبریں سنائیں۔ وہ گھبراہٹ محسوس کر رہا تھا کیونکہ وہ ایسی جگہ پہنچ گیا تھا جہاں اسے بچہ تصور کیا جاتا تھا۔ وہ اپنے جملوں کو خواہ مخواہ طوالت دیتا جا رہا تھا۔ کھانے کے بعد وہ فوراً جدا ہو گئے۔
"تمہارا چچا عجیب شخص ہے۔" بیزروف نے اظہارِ خیال کیا۔ اس کے ناخن تو خاص طور پر نمائش میں بھیجنے کے قابل ہیں۔"
"شاید تم اس سے واقف نہیں ہو۔ اپنی جوانی میں وہ بہت اچھا اور نفیس مزاج شخص مشہور تھا۔ وہ اتنا حسین تھا کہ عورتیں دل تھام کر رہ جاتی تھیں جدھر سے وہ گزر جاتا تھا۔"
"میں تو اس کی طرف دیکھتا ہی رہا۔ لیکن کس صفائی سے اس نے حجامت بنائی ہوئی تھی۔ مجھے تو مضحکہ خیز نظر آرہا تھا۔ البتہ تمہارا والد بہت اچھا آدمی ہے۔ میرے خیال میں وہ اپنا وقت شاعری کے مطالعہ میں ضائع کرتا ہے۔ کھیتی باڑی کے متعلق اس کی معلومات محدود ہیں۔ لیکن وہ خوش مزاج شخص ہے۔"
"میرا والد لاکھوں میں ایک ہے۔"
"مگر وہ شرمیلا اور گھبرایا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ یہ پرانے تصور بہت پسند کرتا"

زدہ ہوتے ہیں۔ اچھا میں چلتا ہوں شب بخیر!"
بیزروف چلا گیا۔ آرکیڈی پر مسرت کا عالم طاری ہو گیا۔ اپنے گھر میں اور آشنا بستر پر سونا کس قدر مسرت انگیز ہوتا ہے۔ آرکیڈی اور بیزروف جلدی سو گئے۔ مگر گھر کے دوسرے افراد دیر تک جاگتے رہے۔ نکولائی بستر پر دراز تھا مگر سویا نہیں تھا۔ اس نے موم بتیاں بھی نہیں بجھائی تھیں۔ پاول بھی کھڑکی کے سامنے اپنی گود میں کتاب کھولے بیٹھا تھا۔ وہ پڑھ نہیں رہا تھا۔ کھڑکی کے باہر دیکھ رہا تھا۔ عقب کے کمرے میں سر پر سفید رومال باندھے ہوئے ایک نوجوان عورت جس کی چھاتیاں حد سے زیادہ ابھری ہوئی تھیں بیٹھی تھی۔ یہ فینچکا تھی۔ اس پر غنودگی طاری تھی۔ وہ گہوارے کی طرف دیکھ رہی تھی جس میں بچہ زور زور سے سانس لے رہا تھا۔

(۵)

دوسرے دن صبح کو بیزروف سب سے پہلے جاگا۔ اس کے ذہن میں خیال چکر لگا رہا تھا "یہ چھوٹی سی جگہ قابل فخر تو نہیں"۔ وہ سیر کو نکل گیا۔ کسانوں میں زمین تقسیم کر چکنے کے بعد نکولائی نے اپنا گھر بنجر اور خشک زمین پر تعمیر کیا۔ جس میں دفتر بھی تھا۔ باغ بھی تھا اور دو کنوئیں بھی۔ چند منٹوں میں بیزروف باغ کی ہر ایک روش ماپ چکا تھا۔ اس نے دو کسان لڑکوں کو روکا اور ان سے مخاطب ہوا۔

"مجھے دو مینڈک چاہئیں"

"مینڈک آپ کیا کریں گے جناب؟"

"میں ان کو کاٹ کر دیکھوں گا کہ ان کے اندر کیا ہے"

اسی اثنا میں نکولائی پیٹرووچ بھی بیدار ہو چکا تھا۔ وہ آرکیڈی کے پاس آیا۔ آرکیڈی پہلے ہی لباس پہن چکا تھا۔ باپ اور بیٹا باہر نکل آئے۔ ایک چھوٹی سی لڑکی ان کے استقبال کو بڑھی۔ سماوار تیار ہو رہا تھا۔ اس لڑکی نے قریب آکر کہا۔

"بینددسیا نکولا فنا علیل ہے اس لئے وہ نہیں آسکتی۔ کیا آپ خود چائے پی لینگے۔"
"کیوں نہیں۔ آرکیڈی چائے لیمو کے ساتھ پیو گے یا بالائی کے ساتھ؟"
"بالائی کے ساتھ۔ ابا اگر برا نہ مناؤ تو ایک بات کہوں۔ تمہاری صاف گوئی نے مجھے بھی صاف گوئی کی ہمت دلادی ہے۔"
"ہاں۔ ہاں۔ کہو۔"
"میں جانتا ہوں ابا فنیچکا میری وجہ سے باہر چائے پلانے کے لئے نہیں آرہی۔"
نکولائی نے منہ پھیر لیا اور بولا "شاید یہی وجہ ہو۔"
آرکیڈی نے ایک تیز نگاہ اپنے والد پر ڈالی "اسے شرمانے کی کیا ضرورت ہے ابا۔ تم میرے خیالات سے واقف ہو۔ میں تمہاری زندگی کا رخنہ نہیں بننا چاہتا۔ جب تم نے اسے اپنے گھر میں رہنے کی اجازت دیدی ہے تو وہ یقیناً اس گھر کے لائق ہوگی۔ میں یہ باتیں اس لئے کر رہا ہوں کہ تم ایسے باپ ہو جس نے اپنے بیٹے کی آزادی کو کبھی سلب نہیں کیا۔"
"شکریہ۔ لیکن اس کا یہاں آنا مشکل ہے۔"
"یہ بات ہے تو میں خود اس کے پاس چلا جاتا ہوں۔"
اس کا باپ روکتا ہی رہا لیکن آرکیڈی اٹھا اور گھر کی طرف چل پڑا۔ نکولائی گھبراہٹ کے عالم میں خاموش ہوگیا۔ اس کا دل دھڑکنے لگا۔ وہ اپنے اور اپنے بیٹے کے آئندہ تعلق کے بارے میں سوچنے لگا۔ اسے اپنی کمزوری پر غصہ آنے لگا۔ اگر اس نے اپنے بیٹے سے بیاہ کا اظہار نہ کیا ہوتا تو معاملہ مختلف ہوتا۔ اس کا دل دھڑک ہی رہا تھا کہ آرکیڈی باہر نکلا اور چلایا "ہم دوست بن چکے ہیں ابا۔ فنیدوسیا نکولا فنا واقعی علیل ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد آئے گی۔ ابا تم نے مجھے یہ کیوں نہ بتایا کہ میرا ایک بھائی بھی ہے۔ میں اسے بوسہ دیکر آرہا ہوں۔" آرکیڈی

اپنے باپ سے لپٹ گیا۔ اتنے میں آرکیڈی کا چچا پافل نمودار ہوا۔ اس کی اتفاقیہ آمد پر باپ اور بیٹا بہت خوش ہوئے۔ پافل میز کے گرد بیٹھ گیا۔ اس نے صبح کا انگریزی لباس پہنا ہوا تھا۔ اس نے پوچھا۔ تمہارا دوست کہاں ہے ؟"

"وہ گھر میں نہیں ہے۔ وہ بہت سویرے اٹھتا ہے۔ نہیں دراصل اس پر زیادہ توجہ نہیں دینی چاہئے۔ وہ نمائش کو پسند نہیں کرتا۔

"اس کا والد کہاں رہتا ہے ؟"

"یہاں سے چونسٹھ میل دور۔ ہمارے صوبے میں۔ وہ فوج میں ڈاکٹر تھا۔"

"میرا خیال ہے کہ میں اس شخص کو جانتا ہوں۔ ہماری فوج میں بھی تو ایک سرجن تھا بزروف۔ یقیناً وہی سرجن بزروف کا والد ہوگا۔"

"چچا اگر تم برا نہ مناؤ تو میں تمہیں بتاؤں کہ وہ کون ہے۔"

"ضرور بتاؤ۔"

"وہ نہالسی ہے۔"

"نہالسی۔ نہالسی۔ لاطینی زبان کا لفظ ہے جس کا مطلب ہے کسی چیز کو نہ ماننے والا۔" پافل نے اپنی معلومات کا رعب جمایا۔ "یعنی کسی کا احترام نہ کرنے والا۔"

"نہیں نہیں۔ نہالسی اس شخص کو کہتے ہیں جو ہر چیز کو نگاہِ تنقید سے دیکھے۔"

"ایک ہی بات ہوئی فرق کیا پڑا ؟"

"بہت فرق ہے چچا۔ نہالسی اس شخص کو کہتے ہیں جو اختیار و قوت کے سامنے سر نہ جھکائے۔ جو اعتقاد کے کسی اصول کو تسلیم نہ کرے۔ چاہے اس اعتقاد میں کتنا ہی احترام کیوں نہ ہو۔"

"تمہارے خیال میں ایسا کرنا مستحسن ہے۔"

"بعض لوگ اس عقیدے سے فائدہ پہنچاتے ہیں اور بعض نقصان اٹھاتے ہیں۔"

"خیر چھوڑو۔ اس بات کا ہم سے کیا تعلق۔ خدا تمہیں صحت دے اور تمہیں جنرل بنا دے تاکہ ہم تم پر فخر کر سکیں"

نکولائی نے گھنٹی بجائی اور دنیاشا کو بلایا۔ لیکن دنیاشا کی بجائے فینچکا خود چلی آئی۔ وہ تیئیس سال کی نوجوان عورت تھی۔ نرم اور سپید کھال۔ سیاہ بال۔ گہری آنکھیں۔ اس نے چھپا ہوا لباس پہنا ہوا تھا اور سر پر نیلا رومال تھا۔ اس کے ہاتھ میں کوکو کا بڑا سا برتن تھا۔ اس نے پافل کے سامنے وہ برتن رکھ دیا۔ وہ گھبرائی ہوئی تھی۔ اس کی آنکھیں جھکی ہوئی تھیں۔ اس کا حسین چہرہ شرم سے تمتایا ہوا تھا۔ اس کی صبح بخیر کا جواب آرکیڈی نے مسکراہٹ سے دیا۔ چند لمحوں تک سکوت طاری رہا۔ پافل نے سکوت توڑا "وہ آرہے ہیں جناب" نہالسٹ۔"

"بیزروف باغ میں سے ہوتا ہوا ان کی طرف آرہا تھا۔ اس کے تھیلے میں کوئی زندہ چیز متحرک تھی۔ وہ آتے ہی بولا۔ "مجھے تاخیر ہوگئی۔ پہلے میں ان قیدیوں سے نجات حاصل کر لوں"

"اس تھیلے میں کیا ہے۔ جونکیں۔؟" پافل نے پوچھا۔

"جونکیں نہیں۔ مینڈک ہیں"

"مینڈک کھایا کرتے ہو؟"

"نہیں تجربوں کے لئے لایا ہوں" بیزروف تیزی سے قدم اٹھاتا ہوا گھر کی طرف بڑھا۔

"اچھا تو وہ ان کی قطع و برید کریگا۔ اسے کسی چیز پر اعتبار نہیں مینڈکوں پر تو ہے" پافل نے طنز کا تیر چھوڑا۔ آرکیڈی چچا کی طرف کنکھیوں سے دیکھنے لگا۔

———— (۶) ————

"بیزروف واپس آگیا اور دونوں بھائیوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

"تم علم الطبیعات میں دلچسپی رکھتے ہو؟" پافل نے سوال کیا۔

"ہاں" بیز روف نے مختصر سا جواب دیا۔

"سنا ہے جرمنوں نے سائنس میں بہت ترقی کی ہے؟"

"اس فن میں جرمن ہمارے استاد ہیں۔"

"جرمنوں کے بہت مداح ہو۔ تمہیں روسی سائنسدانوں سے کیوں کد ہے۔"

"مجھے ان سے کوئی کد نہیں۔ جو شخص سچائی اور حقیقت کا علمبردار ہو مجھے اس سے کد کیونکر ہو سکتی ہے۔"

"کیا سبھی جرمن سچ بولنے ہیں؟" پافل کے چہرے پر کرختگی آگئی۔

"نہیں" بیز روف دراصل اب گفتگو سے احتراز کرنا چاہتا تھا۔

"اچھا تو کسی دن سائنس پر تم سے مفصل بحث کرونگا۔ میں نے سنا ہے کہ لیبگ نے زمین کے سلسلے میں مفید دریافتیں کی ہیں۔ شاید تم مجھے مفید مشورہ دے سکو۔

"میں تمہارا خادم ہوں۔"

"تم واقعی نہالسی ہو" نکولائی بیچ میں کود پڑا۔ "آؤ بھائی چلیں اور اپنے کارندے سے چل کر باتیں کریں۔"

" پافل اٹھتے ہوئے بولا۔" ایسے علاقے میں رہ کر ہم دنیا سے کس قدر دور ہیں۔ واقعی ہماری نوجوان نسل ہم سے زیادہ ہوشیار ہے۔" پافل اور نکولائی تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے دور نکل گئے۔

"کیا تمہارے چچا کا رویہ ہمیشہ یونہی رہا کرتا ہے؟" بیز روف نے آرکیڈی سے سوال کیا۔

"سنو بیز روف تم نے اس کے احساسات کو مجروح کر دیا ہے۔"

"میں دراصل ان صوبجاتی رئیسوں کی عادات برداشت نہیں کرسکتا۔"

"میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ میں تمہیں اپنے چچا کی داستان سناؤں گا۔ میرا چچا برا آدمی نہیں۔ تم اس کی داستان سنو گے تو تمہیں اپنی رائے تبدیل کرنا ہوگی۔ اچھا تو سنو ......" آرکیڈی نے اسے اپنے چچا کی داستان سنائی۔ جو درج ذیل ہے :۔

پاول پیٹرووچ کرسانف نے پہلے اپنے بھائی کی طرح گھر پر تعلیم حاصل کی اور پھر فوجی اسکول میں۔ بچپن ہی میں وہ اپنی خوبصورتی کی وجہ سے مشہور ہو چکا تھا۔ اس کی طبیعت میں طنز آمیز مزاح تھا۔ وہ فوج میں بطور افسر بھرتی ہوگیا۔ ہر مجلس میں اس کو پسندیدہ نگاہوں سے دیکھا جاتا۔ وہ شیخی بھگارتا لیکن ہر بات اسے زیب دیتی۔ عورتیں اسکی دیوانی تھیں۔ پاول اپنے بھائی نکولائی کی طرح تو نہیں تھا مگر دو نو بھائی رہتے ایک ہی کمرے میں تھے۔ نکولائی لنگڑا تھا۔ اور اسکی فطرت ذرا مغموم تھی۔ مجالس میں اسے زیادہ پسند نہیں کیا جاتا تھا۔ نکولائی کو پڑھنے کا شوق تھا لیکن پاول کوئی شام گھر پر بسر نہیں کرتا تھا۔ اس نے زیادہ سے زیادہ پانچ چھ فرانسیسی کتابیں پڑھی تھیں۔ اٹھائیس سال کی عمر میں کپتان ہوگیا۔

ان دنوں پیٹرزبرگ کی مجالس میں ایک عورت کو بہت شہرت حاصل تھی جسے آج بھی فراموش نہیں کیا جاتا۔ اس کا نام شہزادی ر...... تھا۔ اس کا خاوند بیوقوف اور سادہ لوح تھا۔ اس کی کوئی اولاد نہ تھی۔ اسے بہت شوخ حسینہ تسلیم کیا جاتا تھا۔ عیش و عشرت کی شیدائی۔ وہ نوجوان مردوں سے مذاق کرتی اور ان کے حلقے میں خوب ہنستی۔ راتوں کو وہ اپنے گھر میں روتی لیکن صبح ہوتے ہی ہنسنا شروع کر دیتی۔ اس کے بال سنہیلے اور لمبے تھے۔ گھٹنوں تک پہنچتے تھے۔ اس کا جسم بے حد متناسب تھا۔ اس کی آنکھیں قاتل تھیں۔ بڑی محنت سے

لباس پہنے تھی ۔ پافل پیڑ وضح کی اس سے ملاقات ایک مجلس رقص میں ہوئی۔ وہ اس کے عشق میں مبتلا ہوگیا ۔ اس کا عشق فتحمند ہوا ۔ لیکن اس کے دل کی پیاس نہ بجھی ۔ اسے اپنے مقصد میں ہر ممکن کامیابی نصیب ہوئی ۔ اس عورت نے اپنے آپ کو اس کے سپرد بھی کردیا ۔ لیکن وہ عورت پُر اسرار تھی ۔ پافل کی کوئی نہ کوئی تمنا تشنہ ہی رہ جاتی ۔ وہ اسے مکمل طور پر حاصل نہ کرسکتا ۔ نہ جانے اس عورت میں کیا بات تھی ۔ وہ عورت سب سے مذاق کرتی مگر اپنے عاشق سے کبھی ہنس کر نہ بولتی ۔ رات کو اپنی خوابگاہ میں جا کر روتی اور سسکیاں بھرتی ۔ اس کی ملازمہ نے اسے کئی مرتبہ ایسا کرتے ہوئے دیکھا۔

جب شہزادی ر...... نے پافل سے سرد مہری کے ساتھ پیش آنا شروع کر دیا تو وہ دیوانہ ہوگیا ۔ پافل نے اسے چین سے نہ بیٹھنے دیا ۔ اس نے ہر جگہ اس کا تعاقب کیا ۔ اس نے ملازمت بھی چھوڑ دی ۔ چار سال وہ اپنی محبوبہ کے تعاقب میں پردیس میں رہا ۔ اس عورت نے اس کے دل میں گھر کر لیا تھا ۔ بیڈن کے مقام پر اس نے پھر ایک مرتبہ اسے حاصل کرلیا ۔ لیکن وہ وہاں سے بھی اس کے ہاتھوں سے نکل گئی ۔ وہ روس واپس آگیا ۔ اس نے اپنی گذشتہ زندگی کی تقلید کی ۔ وہ اب بھی مجالس میں جاتا لیکن اسے کسی چیز کی توقع نہ رہی ۔ وہ اب بوڑھا ہوتا جا رہا تھا ۔ اس طرح دس سال بیت گئے ۔ یہ سال بے کیف اور بے رنگ تھے ۔ روس میں وقت نہیں گزرتا ۔ سننے میں آیا ہے کہ روسی جیل میں وقت پرواز کرتا ہے ۔ ایک دن کھانے کی دعوت میں پافل نے شہزادی ر...... کی موت کی خبر سنی ۔ وہ پیرس میں پاگل پن کی مرض میں مبتلا رہ کر مری تھی ۔ وہ میز پر سے اٹھا اور کلب کے طویل و عریض کمرے میں ٹہلنے لگا ۔ وہ گئی رات تک گھر نہ آیا ۔ چند دنوں کے بعد اس کے نام ایک پیکٹ موصول ہوا ۔ جس میں شہزادی ر........ کو دی ہوئی اس کی انگوٹھی تھی ۔

یہ واقعہ ۱۸۴۳ء کے آغاز کا ہے۔ انہی دنوں نکولائی بھا اپنی بیوی کی موت کے بعد پیٹرزبرگ آیا ہوا تھا۔ پاول اپنے بھائی سے بہت کم ملتا تھا۔ جن دنوں وہ پولیس سے واپس روس آیا تھا۔ نکولائی کے ہاں ٹھہرا تھا۔ مگر وہ میاں بیوی کی پرمسرت زندگی کی تاب نہ لاتے ہوئے ایک ہفتے کے اندر اندر نکولائی کے گھر سے چلا گیا تھا۔ دونوں بھائیوں میں بہت فرق تھا۔ لیکن ۱۸۴۳ء میں یہ فرق قریب قریب مٹ چکا تھا نکولائی اپنی بیوی کھو چکا تھا اور پاول اپنی پرانی یادیں۔ نکولائی اپنے بھائی کو دیہات کی دعوت اس لئے نہیں دینا چاہتا تھا کہ وہاں اس کا دل نہیں لگے گا۔ مگر پاول کا اصرار تھا کہ وہ اپنے بھائی کے ساتھ تنہائی کی زندگی گذارنا چاہتا ہے۔

دیہاتی زندگی اختیار کرنے کے بعد پاول نے انگریزی پڑھنی شروع کر دی۔ اس کی بود و باش کی طرز بھی انگریزی ہو گئی۔ وہ بہت کم باہر نکلنے لگا۔ لوگ اس کی عزت کرنے لگے۔ کیونکہ وہ بہت سلیقہ شعار تھا۔ کیونکہ اس کی ہر ایک چیز نفیس ہوا کرتی تھی۔ عورتیں اب بھی اس کی دیوانی تھیں۔ لیکن اب وہ عورتوں کو منہ نہیں لگاتا تھا۔

"دیکھا تم نے۔ میرے چچا کے ساتھ تم ناانصافی کر رہے ہو۔ تم نے اس کا صحیح اندازہ نہیں لگایا۔" آرکیڈی بولا۔

"مجھے تو اس کے اعصاب سے ڈر لگتا ہے۔" بیزروف نے کہا۔

"اس کا دل سونا ہے خالص سونا۔"

"اس سے نفرت کون کرتا ہے۔ اس کے باوجود میں کہنے کو تیار ہوں جو شخص ایک داؤ پر اپنی زندگی لگا دیتا ہے اور جب وہ داؤ ہار جاتا ہے تو دنیا سے بیزار ہو جاتا ہے وہ انسان نہیں۔ البتہ مرد ضرور ہے۔ تم کہتے ہو کہ وہ ناخوش ہے

اس کا مطلب تو یہ ہوا اب بھی اس پر جلا نہیں ہوئی۔ اس کی فطرت آج بھی زنگ آلود ہے۔ اچھا آؤ چلیں اور چل کے مینڈکوں کے راز سے آگاہی حاصل کریں۔"

دونوں دوست اٹھے اور چل پڑے۔ بیز مروف کے کمرے میں ادویات کی بو پھیلی ہوئی تھی۔

(۷)

پافل پیٹروفیچ اپنے بھائی اور کسانوں کے کارندے کے پاس زیادہ دیر تک نہ ٹھہرا۔ کسانوں کا کارندہ ان کے ہر سوال کا جواب۔ "جی ہاں۔ ضرور" سے دیا کرتا تھا۔ وہ بتاتا کہ کسان شرابی تھے اور چور۔ جائداد اب نئے طرز کی حامل بن گئی تھی۔ نئی مشینیں کھیتوں پر کام کر رہی تھیں۔ روپوں کی ہر وقت ضرورت رہتی تھی۔ پافل نے اپنے بھائی کی کئی دفعہ مدد کی تھی۔ آج اس کے پاس بھی کچھ نہیں تھا۔ اس لئے وہ جیبوں میں ہاتھ ڈال کر چلا آیا۔ نکولائی صنعت کے لئے اپنے جوش و خروش کے باوجود اپنی جائداد کا انتظام خوش اسلوبی سے نہیں کر سکا تھا۔ پافل سوچتا تھا کہ اس کا بھائی نکولائی باعمل شخص نہیں ہے اور ادھر نکولائی اپنے بھائی پافل کو جہاں دیدہ شخص خیال کرتا تھا۔ پافل اپنے بھائی کی کسی بات کی تردید نہیں کیا کرتا تھا۔ اپنے بھائی کو دارالمطالعے میں چھوڑ کر پافل نے فینچکا کے دروازے پر دستک دی۔ اندر سے گھبرائی ہوئی آواز آئی۔ "کون ہے؟"

"میں ہوں۔" پافل نے کہا اور خود ہی دروازہ کھول دیا۔

فینچکا کرسی سے اچھل کر کھڑی ہو گئی کیونکہ اس کی گود میں اس کا بچہ تھا۔ جسے وہ فوراً دوسرے کمرے میں لے گئی اور اس نے باہر آ کر اپنے سر پر رومال درست کیا۔

"میں مداخلت کے لئے معافی چاہتا ہوں۔ میں نے سنا ہے تمہارے آدمی قصبے کو جا رہے ہیں۔ مجھے سبز چائے کی ضرورت ہے۔"

"کتنی چاہیے تمہیں؟"

"آدھ پونڈ۔ تم نے تو یہاں کافی تبدیلی کر دی ہے۔ یہ پردہ یہاں پہلے تو نہ تھا۔"

"یہ پردے نکولائی پیٹروونچ نے مجھے بطور تحفہ دئے ہیں۔"

پافل نے کمرے کی دو چار اور چیزوں کی تعریف کی۔ فنیچکا کا خیال تھا کہ وہ جا رہا تھا۔ لیکن وہ وہیں رکا رہا۔ اس نے بتایا کہ اسے بچوں سے محبت تھی۔ فنیچکا مسرت کے مارے سرخ ہو گئی۔ پافل نے اس سے بہت کم بات کی تھی۔ فنیچکا دنیاشا کو بلانے کے لئے گئی۔ پافل کمرے میں تنہا رہ گیا۔ کونے میں صندوق کے پاس بستر پڑا تھا۔ دوسرے کونے میں لیمپ روشن تھی۔ کھڑکی میں مربے کی بوتل پڑی تھی۔ دیواروں پر نکولائی پیٹروونچ کی تصاویر لٹک رہی تھیں۔ جو نہایت بھونڈے انداز میں کھینچی گئی تھیں۔ پانچ منٹ یونہی گزر گئے۔ دوسرے کمرے سے سرگوشیوں اور سرسراہٹوں کی آواز آتی رہی۔ پھر دروازہ کھلا اور فنیچکا بچے کو بانہوں میں لئے ہوئے داخل ہوئی۔ پافل زور زور سے سانس لے رہا تھا۔ بچہ اس کی گود میں ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔ فنیچکا نے بچے کے بال سنوار دئے تھے۔ خوبصورت ماں اگر گود میں صحت مند بچے کو لئے ہوئے تو اس سے بڑھ کر کوئی چیز حسین نہیں۔

"پافل بولا۔" یہ تو بالکل میرے بھائی کی طرح ہے۔"

فنیچکا کہہ رہی تھی۔ "تمہارا تایا آیا ہے آنکھیں تو کھولو منّیا۔"

اتنے میں نکولائی پیٹروونچ کی آواز سنائی دی۔ "آہ۔ پافل کیا تم یہاں ہو؟"

پافل تیزی سے قدم اٹھاتا ہوا باہر نکل گیا۔ "تمہارا بچہ بہت صحت مند ہے میں سبز چائے کے لئے آیا تھا۔"

نکولائی نے کمرے میں آ کر پوچھا۔ "کیا وہ اپنی مرضی سے یہاں آیا تھا؟"

"ہاں اس نے دروازے پر دستک دی اور اندر آ گیا۔" فنیچکا نے جواب دیا۔

"آرکاشا تو تم سے دوبارہ ملنے نہیں آیا ؟"

"نہیں۔"

"نکولائی پیٹرو ضیح کیا میں اپنے پرانے گھر میں اٹھ جاؤں ؟"

"کیوں۔ کیوں ..... نہیں۔ نہیں۔ اپنی طرف تو دیکھو۔ کسقدر فربہ اندام ہو گئی ہو" اس نے ضنچکا کے گالوں پر بوسے دئے۔ پھر جھک کر اس کا ہاتھ چوما۔ وہ اپنی پلکوں کے سایوں میں سے اسے جھانکتی رہی۔

نکولائی پیٹرو ضیح کی ملاقات ضنچکا سے اس طرح ہوئی تھی۔

تین سال ہوئے وہ ایک دور کے قصبے کی سرائے میں رات بسر کرنے کی غرض سے ٹھہرا۔ جو کمرہ اسے دیا گیا وہ بیحد صاف ستھرا تھا۔ ضروری تھا کہ سرائے کی مالکن جرمن عورت ہوتی۔ لیکن وہ روسی ثابت ہوئی۔ وہ پچاس سال کی صاف ستھری عورت تھی شکل و شباہت سے ذہانت برستی تھی۔ چائے پر نکولائی کو اس سے گفتگو کا موقع ملا۔ نکولائی نے اسے بہت پسند کیا۔ نکولائی ان دنوں اپنے دیہاتی گھر میں نیا نیا آیا تھا۔ اسے ملازم کی ضرورت تھی۔ سرائے کی مالکن نے اس سے بڑے دنوں والے جھمیلوں کا ذکر کیا۔ نکولائی نے اسے اپنے ہاں آنے کی دعوت دے دی۔ جو فوراً منظور کر لی گئی۔ وہ عورت بیوہ تھی اس کی صرف ایک بیٹی تھی اور اس کا نام ضنچکا تھا۔ پندرہ روز کے بعد آرینا سفینتا اپنی بیٹی ضنچکا کے ساتھ اسکے ہاں آ گئی۔ گھر میں تنظیم اور باقاعدگی کا دور شروع ہو گیا۔ ضنچکا ان دنوں سترہ سال کی تھی۔ وہ کسی سے بات نہ کرتی۔ ایک دن کلیسیا میں نکولائی ضنچکا کے مرمریں چہرے سے بہت مسحور ہوا۔ اس طرح ایک سال گذر گیا۔ ایک دن صبح کو آرینا نکولائی کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ کیا وہ اس کی بیٹی کے لئے کچھ کر سکتا تھا جس کی آنکھ انگیٹھی کے شعلے نے جھلس گئی تھی۔ نکولائی نے ضنچکا کو اپنے پاس بلایا۔ نکولائی ادویات کے متعلق بڑا عطار تھا۔ ضنچکا کی

آنکھ کا بغور معائنہ کرنے کے بعد اس نے اسے سینک دینے کا حکم دیا۔ دوائی بھی آنکھ میں ڈالنے کے لئے دی۔ چلتے ہوئے اس کی ماں نے کہا "بے وقوف لڑکی اپنے آقا کے ہاتھ پر بوسہ دے" ضنچکا نے گھبراہٹ کے عالم میں جھک کر نکولائی کے بالوں والے ہاتھ پر بوسہ دیا۔ ضنچکا کی آنکھ جلد ہی اچھی ہوگئی۔ ضنچکا نے جو اثر نکولائی پر ڈالا وہ جلد زائل نہ ہوا۔ ضنچکا اٹھتے بیٹھتے اس کے خیالوں میں آنے لگی۔ اس کا معصوم چہرہ بھلائے نہ بھولتا تھا۔ اب اس نے اس کے جھونپڑے میں اکثر آنا جانا شروع کر دیا۔ آرینا ہیضہ میں مبتلا ہو کر مر گئی۔ ضنچکا کا کیا بننے والا تھا؟ اس نے اپنی ماں سے ورثے میں باقاعدگی اور تنظیم پائی تھی۔ نکولائی پیٹرووچ بھی تو اس پر مہربان تھا۔ اس لئے اسے اپنے مستقبل کیا فکر تھی۔

"اچھا تو میرا بھائی آج تم سے ملنے آیا تھا۔ اس نے دستک دی اور اندر چلا آیا"

"ہاں"

"بہت اچھی بات ہے۔ لاؤ میں مٹیا کو تھوڑا سا کھلاؤں"

نکولائی بچے کو جھولا جھلانے لگا۔

پاول اپنے کمرے میں آکر صوفے پر گر پڑا اور ٹکٹکی باندھ کر چھت کی طرف دیکھنے لگا۔ نہ جانے اس کے جی میں کیا آئی وہ اٹھا اور اس نے کھڑکیوں کے پردے گرا دیے اور پھر صوفے پر گر پڑا۔

—————— (۸) ——————

اسی دن بیزروف نے بھی ضنچکا سے ملاقات کی۔ وہ باغ میں آرکیڈی کے ساتھ ٹہل رہا تھا۔ بیلوں کے سائے میں ضنچکا دنیاشا اور بچے کو لئے ہوئے بیٹھی تھی۔

"وہ کون ہے؟" بیزروف نے سوال کیا۔ "کتنی خوبصورت لڑکی ہے"

"کس کی بات کر رہے ہو؟"

"تم دیکھ رہے ہو کہ ان میں سے ایک ہی لڑکی خوبصورت ہے۔"

آرکیڈی گھبرا گیا اس نے بیزروف کو بتایا کہ فنیچکا کون تھی۔

"آہا۔ تمہارے والد کا مذاق نہایت بلند ہے۔ بہت خوش مذاق شخص ہے۔ آؤ چلیں فنیچکا سے دوستی پیدا کریں۔"

"بیزروف کیا کرتے ہو۔ خدا کے لئے...... ذرا خیال تو کرو۔"

فنیچکا کے قریب آکر بیزروف گویا ہوا۔ "میں بیضرر انسان ہوں اور آرکیڈی نکولوئچ کا دوست ہوں۔"

فنیچکا اٹھ کر کھڑی ہو گئی اور خاموش رہی۔

"بچہ کتنا صحت مند ہے۔" بیزروف نے کہا۔ "یہ گال سرخ کیوں ہے کیا دانت نکال رہا ہے۔"

"ہاں۔ چار دانت تو نکال چکا ہے۔ اس کے مسوڑے سوجے ہوئے ہیں۔"

"مجھے دکھاؤ میں ڈاکٹر ہوں۔" بچے کو گود میں لے کر اس کے دانت دیکھتے ہوئے بولا۔ "گھبراؤ نہیں۔ لڑکے کے دانت بہت مضبوط ہوں گے۔ یہ لو اپنے جوان مرد کو۔"

فنیچکا نے بچہ اس کے ہاتھوں سے لے لیا۔ پھر دونوں دوست باغ کی روش پر ٹہلنے لگے۔

"اس کا نام کیا ہے۔؟"

"فنیچکا...... فیدوسیا۔" آرکیڈی نے جواب دیا۔

لوگ فیدوسیا کے متعلق بری رائے رکھتے ہوں گے۔ وہ گھبرائی گھبرائی سی کیوں ہے۔ وہ ماں ہے۔ لوگ جانتے ہیں کہ اس کے بچے کا والد کون ہے۔"

دونو دوست چند قدموں تک خاموش رہے۔

"میں نے تمہارے والد کی جائداد کا معائنہ کیا ہے۔ مویشی کمزور اور نحیف ہیں۔ گھوڑے بھی تھکے ہوئے ہیں۔ عمارتیں شکستہ ہیں مزدور غنڈے ہیں۔ ان کا کارندہ بیوقوف ہے۔ تمہارا والد تباہی کے غار کی طرف دوڑا جارہا ہے۔ تم نے روسی ضرب المثل تو سنی ہوگی" روسی کسان خدا کو بھی فریب دیتا ہے"

"مجھے اپنے چچا سے اتفاق ہے کہ تم روسیوں کے متعلق بلند رائے نہیں رکھتے"

"روسیوں کی فطرت اسی لئے اچھی ہے کہ وہ اپنے متعلق شیخی نہیں بگھارتے"

"کیا فطرت ایک حماقت ہے؟" آرکیڈی نے سوال کیا۔

"جن معنوں میں تم فطرت کو سمجھتے ہو اس اعتبار سے فطرت حماقت ہی ہے۔ فطرت دراصل مندر نہیں۔ عبادت گاہ نہیں بلکہ ایک ورکشاپ ہے اور انسان اس میں مزدور کی حیثیت رکھتا ہے۔"

اتنے میں کھڑکی میں سے وائلن کا ولدوز نغمہ برآمد ہوا۔ کوئی شوبرٹ کا نغمہ بجا رہا تھا۔

"یہ کون ہے؟"

"میرا والد" آرکیڈی بولا۔

"تمہارا والد وائلن بھی بجا لیتا ہے؟"

"ہاں"

"تمہارے والد کی عمر کیا ہے؟"

"چوالیس سال"

بزروف نے دفعتاً قہقہہ لگایا۔

"تم ہنس کیوں رہے ہو؟"

"اس دور افتادہ علاقہ میں چوالیس سال کا مرد وائلن بجا رہا ہے۔ ہنسوں نہ تو کیا کروں"

بیزروف ہنستا رہا۔ کیونکہ آرکیڈی کو اپنے والد سے عقیدت تھی اس لئے وہ مسکرایا بھی نہیں۔

(۹)

پندرہ دن یونہی گذر گئے۔ مارنیو میں زندگی حسب معمول رینگتی رہی۔ آرکیڈی بیکار تھا اور بیزروف کام کر رہا تھا۔ گھر کا ہر شخص اس سے مانوس ہو گیا تھا۔ ایک رات کو فینچکا نے اُسے بلا بھیجا مٹیا بیمار تھا۔ وہ مسکراتا ہوا گیا۔ اس نے بچے کو اچھا کر دیا۔ پاول پیڑووچ اسے نفرت کرنے لگا تھا۔ وہ اسے جنونی اور آوارہ مزاج سمجھنے لگا۔ نکولائی بیزروف سے خوفزدہ رہنے لگا تھا۔ ملازم اس کو پسند کرتے تھے۔ وہ اسے آقا تصور نہیں کرتے تھے بلکہ اپنے جیسا خیال کرتے تھے۔ پی آٹر تو اس پر ریجھ گیا تھا۔ وہ بیزروف کا بہت خیال رکھتا۔ اس کے کپڑے جھاڑتا۔ کھیت میں کام کرنے والے لڑکے تو اس کے پیچھے "ڈاکٹر۔ ڈاکٹر" کہتے ہوئے دوڑ پڑتے۔ باورچی پراکوفیچ البتہ اسے ناپسند کرتا تھا۔ کھانے کی میز پر اسے برتن پکڑاتے ہوئے ناک بھوں چڑھاتا۔

سال کے بہترین دن آگئے۔ جون کے ابتدائی دن۔ موسم پر لطف ہو گیا۔ اس علاقے کے دور افتادہ کونے میں ہیضے کا خطرہ بڑھ گیا۔ بیزروف صبح سویرے اٹھ کر سیر کو نکل جاتا۔ پودے اور کیڑے جمع کر کے واپس آجاتا۔ ایک دن آرکیڈی اور بیزروف سیر سے بہت دیر کے بعد واپس آئے۔ نکولائی ان سے ملنے کے لئے باغ میں آیا۔ دونوں دوستوں میں بحث چھڑی ہوئی تھی۔ وہ اوٹ میں تھے۔ وہ نکولائی کو نہ دیکھ سکے۔

"تم میرے والد کو نہیں جانتے" آرکیڈی کہہ رہا تھا۔
"تمہارا والد بہت اچھا آدمی ہے۔ لیکن وہ پرانے خیال کا شخص ہے پس ماندہ۔
اس نے اپنی زندگی کھا پی لی ہے۔ اب تو وہ ختم ہو چکا ہے"
نکولائی بڑے غور سے ان کی باتیں سن رہا تھا۔ وہ چند منٹوں کے لئے بے حس و حرکت
کھڑا رہا اور پھر گھر کی طرف چل دیا۔
بیزروف آرکیڈی سے کہہ رہا تھا" وہ پشکن کا کلام پڑھتا رہتا ہے۔ اسے
لڑکوں کی طرح اپنا وقت رومانی افسانوں کے مطالعہ میں نہیں گذارنا چاہئے۔
اسے چاہئے کہ وہ کوئی صنعت و حرفت سے متعلق کتاب پڑھے"
دو دن کے بعد نکولائی نے اپنے بھائی سے کہا" ایسا دکھائی دیتا ہے کہ میں اور تم
وقت سے پیچھے رہ گئے ہیں۔ بیزروف ٹھیک کہتا ہے کہ ہمارا زمانہ گیا۔ مجھے اعتراف
ہے کہ ہمارے بچے ہم سے بازی لے جا چکے ہیں"
"وہ ہم سے کس طرح آگے بڑھ گئے ہیں۔ مجھے بیزروف قطعی پسند نہیں۔ وہ ہمارے
بیٹے کا دماغ بھی خراب کر رہا ہے"
"میں نے اپنے کھیت کو یکسر تبدیل کر دیا ہے۔ میں اپنے علاقے میں ترقی پسند مانا
جاتا ہوں۔ پھر بھی بافعل میرا خیال ہے کہ میں زمانے کا ساتھ نہیں دے رہا ہوں"
"وہ کیونکر؟"
"سنو میں کل دوپہر کو پشکن کا مطالعہ کر رہا تھا کہ اتنے میں آرکیڈی آیا۔ اس
نے وہ کتاب میرے ہاتھوں سے لے لی اور اس کے عوض یہ کتاب دیدی صنعت و
حرفت"۔ نکولائی نے نئی کتاب اپنے بھائی کو دکھائی۔
"اس کا تو یہ مطلب ہوا تمہارا بیٹا تمہیں از سرِ نو تعلیم دینے لگا ہے"
دونوں بھائی تھوڑی دیر تک خاموش رہے۔ نکولائی نے موضوعِ سخن بدلا۔

"مجھے کولیازن سے ایک خط ملا ہے۔"

"تفی ایلیچ کا خط؟"

"ہاں۔ وہ اس صوبے کا معائنہ کر رہا ہے۔ لکھتا ہے کہ وہ یہاں بھی آئے گا۔ رشتہ دار ہونے کی وجہ سے اس نے تمہیں اور آرکیڈی کو قصبے میں آنے کی دعوت بھی دی ہے۔"

"تم جاؤگے؟" پافل نے پوچھا۔

"اور تم؟" نکولائی نے سوال کیا۔

"میں کبھی نہیں جاؤں گا۔ کون اس کے لئے چالیس میل کی مسافت کی زحمت اٹھائے کون اس کے در پہ جبیں سائی کرے۔ وہ کونسلر ہی سہی۔ اگر میں ملازمت نہ چھوڑ دیتا تو آج میں بھی گورنر ہوتا۔ اس کے علاوہ تم تو جانتے ہی ہو ہم پس ماندہ ہیں۔ وقت سے پیچھے۔"

"ہاں بھائی اب تو یہی مناسب ہے کہ اپنا تابوت تیار کروالیں۔" نکولائی بولا۔

"مگر میں یونہی ہتھیار نہیں ڈالوں گا۔ اس نباسی ڈاکٹر سے دو دو ہاتھ ہو کر رہیں گے۔"

اسی دن شام کو چائے کے وقت بیزروف اور پافل دست و گریباں ہو گئے۔ پافل نشست گاہ میں پہلے ہی مسلح ہو کر آیا تھا اسے صرف بہانہ چاہیئے تھا۔ بیزروف خاموش بیٹھا ہوا چائے پی رہا تھا۔ یک بیک پڑوسی زمینداروں کا ذکر چھڑ گیا۔ بیزروف نے طنز کی۔ "خوشامد پسند سرمایہ دار!"

پافل بھڑک اٹھا۔ وہ بولا: "سنو۔ مجھے تمہاری اس رائے سے اختلاف ہے۔ ہر کوئی جانتا ہے کہ میں آزاد خیال شخص ہوں۔ میں حلقہ اشرافیہ کا مداح ہوں۔ برطانیہ میں اشرافیہ نے ملکی ترقی میں بہت مدد کی ہے۔"

"یہ افسانہ ہم بہت دفعہ سن چکے ہیں۔ لیکن آپ ثابت کیا کرنا چاہتے ہیں؟" بیزروف

نے پوچھا۔

"میں ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ ذاتی کردار بہت بڑی چیز ہے۔ ذاتی وقار اور خودداری کی خصوصیات رئیسوں میں عام ہیں۔ ان کی انہی دو صفات پر سماج کی بنیاد ہے۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم میرے لباس کو مضحکہ خیز خیال کرتے ہو۔ مگر اس لباس سے میری خودداری عیاں ہے۔ اور میرا احساس فرض بھی۔ میں دیہات میں رہتا ہوں یعنی جنگل میں رہتا ہوں پھر بھی میں اپنے آپ کو گرنے نہیں دوں گا۔"

"پافل پیڑووچ۔ آپ اپنی قدر کرتے ہیں اور آپ کو اپنی عزت کا خیال بھی ہے۔ لیکن آپ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے ہوئے ہیں اس سے دوسرے لوگوں کو کیا فائدہ ہو رہا ہے۔ آپ سماج کا کیا بنا رہے ہیں۔"

پافل سفید پڑ گیا۔ وہ بولا۔ "میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں کہ اشرافیہ نظام و اصول کی آئینہ دار ہے۔ اور ہمارے وقت میں تمہیں بتا دوں کہ بیوقوف لوگ ہی بغیر اصول زندہ رہ سکتے ہیں۔"

"اشرافیہ، آزاد خیال، ترقی پسندی اور اصول۔ یہ بدیسی لفظوں کی کثرت کسقدر بیفائدہ ہے۔ روسیوں کو ان سے کیا فائدہ پہنچتا ہے۔"

"اگر ہم تمہاری باتوں پر عمل کریں تو انسانیت کے حلقے سے خارج ہو جائیں۔ اور تاریخی منطق کے اعتبار سے ......"

"ہمیں منطق کی بھی ضرورت نہیں"۔ بیزروف نے لاپروائی سے کہا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"بھوک لگنے کے وقت منہ میں نوالہ ڈالتے ہوئے منطق کی ضرورت ہوتی ہے۔"

پافل پیڑووچ نے اپنے ہاتھ ہلائے اور بولا "میں تمہیں سمجھنے سے قاصر ہوں تم روسی عوام کی بے عزتی پر تلے ہوئے ہو۔ اصول کو تسلیم نہ کرنا حماقت ہے۔"

"چچا میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ ہم کسی اصول کے پابند نہیں" آرکیڈی چیخ لا۔
"ان دونوں ہم اصولِ منفی کے قائل ہیں۔ کسی چیز کو تسلیم نہیں کرتے" بزروف نے آرکیڈی کا ساتھ دیا۔
"سنو۔ تم کسی چیز کو نہیں مانتے مگر بولتے وقت ہر چیز کو نہ و بالا کر دیتے ہو۔ تمہیں کچھ تعمیر بھی کرنا چاہیئے۔"
"فی الحال تعمیر ہمارا کام نہیں۔ ہم تو بنیاد کو صاف کر رہے ہیں۔"
"ہاں میں تسلیم کرتا ہوں کہ تم نوجوان روسی لوگوں سے زیادہ اچھی طرح آگاہ ہو۔ اور تم ان کی ضروریات کے نمائندہ ہو۔ مگر تم روسیوں کو غلط سمجھتے ہو۔ روسی عوام مذہب کے پابند ہیں۔ وہ اعتقاد کے بغیر جی نہیں سکتے" نکولائی نے کہا۔
"اس سے کیا ہوتا ہے کہ ہم لوگوں کے خلاف جا رہے ہیں۔ روسی عوام کا اعتقاد ہے کہ جب پیغمبر ایلیا اپنے رتھ میں سوار ہو کر آسمان کی سیر کرتا ہے تو بجلی کڑکتی ہے۔ کیا میں بھی اس بات پر اعتبار کر لوں۔ ایسے لوگ بھی تو اپنے آپ کو مفید سمجھتے ہیں۔ آپ بھی تو اپنے آپ کو کار آمد تصور کرتے ہیں۔"
"اگر ہم غیر مفید ہیں تو تم کیا کر رہے ہو۔"
"ہم نے ملکی اصلاحات کا بیڑہ اٹھایا ہے۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ اسوقت جو لوگ اصلاحات کی باگ ڈور سنبھالے ہوئے ہیں دیانتدار نہیں ہیں۔ جن لوگوں کی اصلاح مقصود ہے وہ بھی شراب پیتے ہیں۔ اور اپنے آپ کو دوسرے مہلک مشاغل میں تباہ کرتے ہیں۔ اس لئے ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ ہم کسی اصول و اعتقاد کے پابند نہیں رہیں گے۔"
"اور اسی کا نام نہالسیت ہے۔"
"ہاں۔"

پافل نے اپنے ابرد سکیڑے۔" نہالیت کا مطلب ہوا اصلاحات۔ فلاح وبہبود۔
اس اعتبار سے تم ہمارے ہیرو۔ ہمارے نجات دہندہ چلو میں تسلیم کئے لیتا ہوں۔
لیکن تم دوسروں کو گالیاں کیوں دیتے ہو......"

"ہم ایک غلطی کے دوبارہ مرتکب نہیں ہوتے اس لئے۔۔" بیزردف نے
دبی زبان میں جواب دیا۔

"ہم تمام گندگیوں کو تباہ کردیں گے۔ ہم بہت بڑی طاقت ہیں۔"

پافل نے اپنے بھتیجے کی طرف دیکھا اور زور سے ہنسا۔

"ناخوش لڑکے۔۔" پافل نے دلجمعی کے ساتھ کہا۔" طاقت۔ طاقت تو منگولوں
میں بھی تھی۔ ہمیں بربریت کی ضرورت نہیں ہمیں تہذیب اور شائستگی کی ضرورت
ہے۔ وحشی درندوں سے وہ شخص ہزار درجے بہتر ہے جو رقص کرکے اور گا کر پانچ
پیسے روز کماتا ہے۔ کیونکہ وہ تہذیب کا علمبردار ہے۔ اور پھر طاقت ہے کیا۔ تعداد
میں طاقت ہے۔ تمہاری تعداد نہایت قلیل ہے۔ تم چاہے کتنے ہی تنکر کیوں نہ
ہو ختم ہو جاوگے۔"

"ہم اگر ختم ہو گئے تو ہمیں تسکین ہوگی۔ لیکن ہماری تعداد قلیل نہیں۔ یہ
آپ کا وہم ہے۔"

"تمہارا کیا خیال ہے کہ تمہاری اقلیت۔ اکثریت سے نبرد آزما ہو سکے گی؟"

"ماسکو کو چند لوگوں نے ہی پھونک دیا تھا تمہیں یاد ہوگا" بیزردف بولا۔

"میں سمجھا پہلے غرور اور بعد میں تضحیک۔ یہی دو چیزیں نوجوان نسل کا دل
موہ لیتی ہیں۔ آرکیڈی تم پر بھی یہی جادو چل چکا ہے۔ بزرگوں کی تضحیک ہی
نوجوانوں کا محبوب مشغلہ ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ اب ہماری بحث حد سے تجاوز کرنے لگی ہے۔ ہم چلتے ہیں

اور چل کے مینڈکوں سے باتیں کرتے ہیں "
بیزروف اور آرکیڈی اٹھ کر چل دیے ۔
دونوں بھائی تنہا رہ گئے ۔ پافل نے پھر سلسلہ کلام جاری کیا " اچھا تو یہ ہیں نوجوان نسل کے خیالات ۔ یہ ہیں ہمارے جانشینوں کے عزائم "
"سنو میں نے کبھی اپنی بوڑھی چچی سے کہا تھا کہ میں مختلف نسل سے تعلق رکھتا ہوں اور تم کسی اور نسل سے ۔ وہ بہت برہم ہوئی تھی۔ لیکن آج ہماری باری ہے ۔ آج ہمارے بیٹے ہم سے کہہ رہے ہیں کہ وہ مختلف نسل سے ہیں "
" تم بہت فراخدل ہو۔ مجھے تو یقین ہے کہ ہم نوجوانوں سے بدرجہا بہتر ہیں"
اتنے میں فینچکا یہ پوچھنے کے لئے اندر آئی کہ انہیں اور چائے کی ضرورت تو نہیں تھی ۔ دورانِ بحث میں اسے اندر آنے کا حوصلہ نہیں ہوا تھا ۔
" نہیں سماوار لے جاؤ " نکولائی نے اشارہ کیا اور اپنے دارالمطالعے میں چلا گیا۔

(۱۰)

آدھ گھنٹے کے بعد نکولائی باغ میں بیلوں کے سائے کے نیچے چلا گیا ۔ مغموم خیالات اس کے ذہن میں چکر لگا رہے تھے ۔ اس نے پہلی مرتبہ سوچا کہ اس میں اور اس کے بیٹے کے درمیان ایک طویل فاصلہ تھا ۔ اسے یہ بھی یقین تھا کہ یہ فاصلہ روز بروز اور بھی طویل ہوتا چلا جائے گا ۔ اس نے بیسود اپنا وقت نئی کتابوں کے مطالعے میں ضائع کیا تھا ۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس کا بھائی کہتا تھا کہ وہ صداقت پر تھے ۔ لیکن وہ جانتا تھا کہ نوجوانوں میں کوئی ایسی بات ضرور تھی جو ان کی برتری کو ثابت کرتی تھی شاعری کو ترک کردینا ۔ آرٹ اور ادب کی طرف سے آنکھیں بند کرلینا اس کے نزدیک روح فرسا تھا ۔ فطرت کسقدر حسین تھی ۔ شام ہونے کو تھی ۔ سورج کی کرنیں روپہلی ہو گئی تھیں ۔ کسان گاتا ہوا گھر جا رہا تھا ۔ شاخوں میں ہوا سرسرا رہی تھی ۔

چڑیاں چاروں طرف پھدک رہی تھیں۔ اس کے منہ سے نکلا "میرے خدا۔ فطرت کس قدر حسین ہے۔ شاعری دل کو گرماتی ہے۔ میرے بیٹے نے جو کتاب مجھے دیدی ہے وہ کسقدر خشک ہے۔" نکولائی خواب دیکھنے کا شائق تھا۔ وہ اپنے بیٹے کی آمد سے پہلے گھوڑے تبدیل کرنے کی سرائے کے باہر کتنا لطف انگیز خواب دیکھ رہا تھا۔ ایک دفعہ پھر اس کی نگاہوں کے سامنے اس کی مرحوم بیوی آگئی۔ وہ پہلی ملاقات کو یاد کرنے لگا۔ وہ سیڑھیاں اتر رہی تھی۔ وہ ڈر گئی تھی۔ اس نے سر جھکایا تھا اور دوڑ پڑی تھی۔ نکولائی کے گالوں پر شرم کی سرخی دوڑ گئی۔ وہ اپنی ماریا کو ہمیشہ اپنے قریب دیکھنا چاہتا تھا۔

"نکولائی پیٹرووچ۔" فینچکا کی آواز سنائی دی۔ "تم کہاں ہو؟"

اس نے کوئی شرم اور کوئی تکلیف محسوس نہ کی۔ اس نے آجتک اپنی پہلی بیوی اور فینچکا کے درمیان موازنہ نہیں کیا تھا۔ فینچکا کی آواز سے اسکی نگاہوں میں، اس کے اپنے بال سفید ہوتے ہوئے دکھائی دئے ..... ماضی کا پرلطف زمانہ مستقبل کے گہرے دھندلکے میں غائب ہوگیا۔

"میں یہاں ہوں۔" اس نے آواز دی۔ "چلو میں آتا ہوں۔" رات ہوگئی اور نکولائی خواب دیکھتا رہا۔ اس کے گرد وپیش تاریکی ہی تاریکی تھی۔ فینچکا کا چہرہ بھی اسکی نگاہوں میں زرد اور دھندلا پڑ گیا تھا۔ اگر بیزروف کو معلوم ہو جاتا کہ اسوقت اس کے دل میں کیا گذر رہی تھی۔ وہ ضرور ہنس پڑتا۔ آرکیڈی نے بھی ایسے مضحکہ خیز خیال کیا ہوتا۔ چوالیس سال کا مرد رو رہا تھا۔ یونہی رو رہا تھا وائلن کے دردناک نغموں کے بہاؤ کی طرح اس کے آنسو بہ رہے تھے۔ وہ اٹھ کر گھر کی طرف چلنے لگا۔ راستے میں اسکی ملاقات پاول سے ہوگئی۔

"یہ تمہیں کیا ہوگیا ہے۔ تم تو بھوت کی طرح دکھائی دیتے ہو۔ تم جاکر سو

کیوں نہیں جاتے" پافل نے کہا۔
نکولائی نے اس پر اپنے خیالات ظاہر کئے۔ پافل نے بھی آسمان پر نگاہ ڈالی اور سرد آہ بھری۔ وہ بھی سوچ میں ڈوب گیا۔ مگر وہ خواب دیکھنے کا عادی نہیں تھا۔
ادھر بیز روف آرکیڈی سے کہہ رہا تھا "آج میں نے تمہارے والد کو کہتے ہوئے سنا تھا کہ اسے تمہارے نامور رشتہ دار کی طرف سے دعوت موصول ہوئی کہ وہ قصبے ز...... میں آئے۔ وہ جا نہیں رہا۔ اس لئے آؤ ہم چلیں اور اس سے ہاں جاکر ملیں۔ موسم بہت اچھا ہے۔ چلو چل کر دو چار دن کے لئے عیش کریں"
"اور پھر تم واپس بھی آؤ گے؟"
"نہیں میں اپنے والد سے ملنے کے لئے جاؤنگا۔ میں نے اپنی ماں کو ایک مدت سے نہیں دیکھا"
"کیا تم ان کے پاس دیر تک رہو گے؟"
"نہیں......"
"ان سے ملنے کے بعد ہمارے ہاں آؤ گے؟"
"میں کہہ نہیں سکتا"
دونوں دوست قصبے ز کی طرف دوسرے دن چل دئے۔ مارنیو کے چھوٹے بچے ان کی روانگی پر رنجیدہ ہوئے۔ لیکن بوڑھوں نے اطمینان کا سانس لیا۔ قصبہ ز...... جس کی طرف دونوں دوست روانہ ہوئے ایک نوجوان گورنر کی زیر حکومت تھا۔ جو بیک وقت ترقی پسند بھی تھا اور جابر بھی۔ اس نے اپنی حکومت کے پہلے سال میں ہر کسی سے دشمنی پیدا کرلی تھی۔ آخر صورتِ حال اتنی پیچیدہ ہوگئی تھی کہ حکام اعلیٰ نے تحقیق کے لئے ماتفی ایلیچ کولیازن کو منتخب کیا۔ کولیازن کرسانف بھائیوں کے رشتہ داروں میں سے تھا۔ کولیازن بھی جوان تھا۔ یعنی ابھی وہ چالیس

سال کا نہیں ہوا تھا۔ لیکن وہ بطور ایک سیاستداں بہت مشہور ہوتا جا رہا تھا۔ وہ اس گورنر کی طرح ترقی پسند تھا جس کی تحقیق کے لئے وہ آرہا تھا۔ وہ دوسرے امراء کی طرح نہیں تھا۔ اسے اپنے متعلق بڑا وہم تھا۔ اس کی خود نمائی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ وہ اپنے آپ کو موروثی حاکموں سے مختلف بتایا کرتا تھا۔

مانتی کوبیازن نے آرکیڈی کا خیر مقدم بڑی گرمجوشی کے ساتھ کیا۔ ادھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد اس نے آرکیڈی کو گورنر سے ملنے کے لئے کہا۔ اس کا خیال تھا کہ گورنر بہت اچھا آدمی تھا۔ اس لئے یہ بھی بتایا کہ گورنر دو دن کے بعد دعوتِ رقص بھی دے رہا تھا۔

"کیا آپ رقص کی دعوت میں تشریف لائیں گے؟"

"ہاں۔ اس نے میرے ہی اعزاز میں تو یہ دعوتِ رقص دی ہے۔ کیا تم رقص کر لیتے ہو؟"

"ہاں۔ مگر اچھی طرح نہیں۔"

"بہت افسوس ہے۔ میں نے سنا ہے یہاں کی لڑکیاں بہت خوبصورت ہیں اگر کسی نوجوان کو رقص نہیں آتا تو میرے نزدیک وہ قابلِ رحم ہے۔ میں تمہارا تعارف اس قصبے کی مشہور خواتین سے کراؤں گا۔" اتنا کہہ کر وہ ہنسا۔

آرکیڈی اسے ملنے کے بعد بیزروف کی تلاش میں نکلا۔ وہ ایک شراب خانے میں بیٹھا ہوا پی رہا تھا۔ آرکیڈی نے اس سے کہا کہ انہیں گورنر سے ضرور ملنا چاہئے۔

گورنر نے دونوں نوجوانوں کا خیر مقدم بڑی بے رخی کے ساتھ کیا۔ اس نے انہیں بیٹھنے کے لئے بھی نہ کہا۔ وہ دراصل بڑی جلدی میں تھا۔ اس نے کرسالف آرکیڈی اور بیزروف کو رقص میں شمولیت کی دعوت دی۔ دونوں دوست گورنر سے مل کر واپس آرہے تھے کہ راستے میں انہیں ایک پست قامت شخص مل گیا۔ وہ اپنی

گاڑی میں سے اتر پڑا۔ اس نے آواز دی: "یافگنی وسلیف۔!"

"آہ۔ تم ہو ہرشنکیف۔تم یہاں کیسے آگئے؟"

"حسنِ اتفاق سمجھ لیجئے۔میں اپنے والد کے ساتھ یہاں کسی کام کی غرض سے آیا ہوا ہوں۔کیا تم گورنر سے مل کر آرہے ہو؟" اتنا کہکر ہاتھ ہلاتے ہوئے وہ اپنی گاڑی میں سوار ہو گیا۔

آرکیڈی سے اس کا تعارف کروایا گیا۔آرکیڈی نے بیزروف کے چہرے کی طرف دیکھا۔

سنکیف بولا: "جس وقت پہلی مرتبہ بیزروف نے مجھ سے کہا کہ میں کسی اعتقاد کے آگے سر نہ جھکاؤں گا تو میں نے اپنی رگوں میں جوش دوڑتا ہوا پایا۔میری آنکھیں کھل چکی ہیں۔بیزروف تمہیں یہاں ایک خاتون سے ضرور ملنا چاہئے جو تمہاری ہم خیال ہے۔"

"کون ہے وہ؟"

"افدوکیا کوکشینا۔وہ یہاں سے دو قدموں کے فاصلے پر رہتی ہے۔ ہم سب اسی کے ہاں اکٹھے ہو رہے ہیں۔وہ اپنے خاوند سے جدا ہو چکی ہے۔اور اب تنہا رہتی ہے۔"

"لیکن ہم اس سے کیوں ملیں؟"

"کیا شیمپین نہیں پیو گے؟"

"ضرور پیوں گا۔"

"تو پھر آؤ گے؟"

"آؤ چلیں۔ہم یہاں لوگوں سے ملنے کے لئے تو آئے ہیں۔" آرکیڈی نے بیزروف کو مجبور کیا۔

"اچھا ہم بھی چلتے ہیں۔" بیزروف نے آرکیڈی کی مرضی کے آگے سر جھکا دیا۔

(۱۱)

قصبے ز...... کے اس محلے میں جسے کبھی جلا کر راکھ بنا دیا گیا تھا خاتون اودوکیبا کوکشنیا رہتی تھی۔ روس میں یہ بات مشہور ہے کہ صوبوں کے مشہور قصبے ہر پانچویں سال جلا کر خاکستر بنا دئے جاتے ہیں۔ سشنکیف نے دروازے پر دریافت کیا کہ کیا کوکشنیا گھر پر ہی تھی۔

اندر سے ایک تیکھی آواز آئی۔" وکٹر تم ہو؟ آجاؤ۔"

"میں تنہا نہیں ہوں۔" سشنکیف نے آرکیڈی اور بیزروف کی طرف دیکھتے ہوئے اطلاع دی۔

"کوئی بات نہیں۔ آجاؤ۔"

تینوں نوجوان نشست گاہ میں داخل ہوئے۔ سگرٹوں کے جلے ہوئے ٹکڑے ہر طرف بکھرے پڑے تھے۔ صوفے پر ایک جوان عورت دراز تھی۔ اس کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ اسکی کلائیوں میں چوڑیاں تھیں اور سر پر رومال۔

وہ صوفے سے اٹھ کر کھڑی ہوگئی اور بولی۔" صبح بخیر!" اس نے سشنکیف کا ہاتھ دبایا۔

"بیزروف۔ کرسانف۔" سشنکیف نے تعارف کروایا۔

"تم سے مل کر خوشی ہوئی۔ میں تمہیں جانتی ہوں۔" اس نے بیزروف سے بھی ہاتھ ملایا۔

"وہ بدصورت نہیں تھی مگر نظارگی اس کے چہرے کے آثار سے بدظنی ضرور ہوجاتا تھا۔

"ہاں۔ ہاں۔ بیزروف میں تمہیں جانتی ہوں۔ کیا سگار پیوگے؟"

"کیوں نہیں۔ اگر ناشتہ بھی ہوجائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔" سشنکیف نے

اظہارِ خیال کیا۔

"ہیز روف دیکھا تمہارا دوست کتنا آزاد خیال ہے۔"

"ہاں۔ میں آزاد خیال ہوں کیونکہ بھوکا ہوں۔"

افرودکیسا نے ان پر سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔ آرکیڈی کو اپنے مزید حالات سنانے پڑے۔

دفعتاً افرودکیا قہقہہ لگاتے ہوئے بولی "میں تم سے ناراض ہوں وکٹر۔"

"کیوں؟"

"میں نے سنا ہے کہ تم نے جارج سینڈ کی مدح سرائی شروع کر دی ہے۔ وہ تو ایک تنزل پذیر عورت ہے۔ اس کا ایمرسن سے مقابلہ کیا۔ ہیز روف میرے پاس صوفے میں آبیٹھو۔ میں تم سے ڈرتی ہوں۔"

"کیوں ڈرتی ہو؟ اس سوال کی مجھے اجازت دو۔" ہیز روف بولا۔

"تم نہایت خطرناک نقاد ہو۔ میں دیہاتی عورت ہوں اور حال ہی میں اس ناقابلِ برداشت قصبے میں آئی ہوں۔ کیا کیا جائے۔"

"ہر قصبہ دوسرے قصبے سے ملتا ہے۔" ہیز روف نے سرد مہری سے جواب دیا۔

"یہاں شغل و تفریح کی بے حد کمی ہے۔ میں بدیس کا عزم کرنے والی ہوں۔"

"پیرس جاؤ گی؟" ہیز روف نے سوال کیا۔

"پیرس اور پھر ہیڈل برگ۔"

"ہیڈل برگ کیوں جاؤ گی؟"

"کیونکہ بن سن وہاں رہتا ہے۔"

افرودکیسا نے سگریٹ گول کی۔ اس پر لب لگایا۔ اور پھر اسے سلگا کر پینے لگی۔

ملازم شمپین لے کر آگئی۔ وکٹر سٹنکیف نے بوتل کھولی۔

شراب کا تیسرا گلاس پی کر بیزروف نے پوچھا "اس قصبے میں خوبصورت عورتیں بھی ہیں؟"

"ہیں تو سہی۔ لیکن خالی الذہن۔ آدسنتو فا ایک خوبصورت عورت ہے مگر تنگ خیال۔ اس قصبے کی عورتوں کی تعلیم اچھی نہیں"

"انہیں تعلیم کی کیا ضرورت ہے۔ عورتوں کو سمجھ سے کیا واسطہ"

"تم بھی عورتوں کے متعلق پڑودھن کے ہم خیال ہو"

"میں کسی کا ہم خیال نہیں۔ یہ میرا اپنا خیال ہے"

"میکالے نے بھی تو کہا ہے" افدوکیسا بولی۔

"جہنم میں جائے میکالے" سٹنکیف بولا۔

"میں عورتوں کے حقوق کی خاطر لڑ رہی ہوں۔ جس وقت عورتوں پر حملہ کیا جائے میں برداشت نہیں کر سکتی۔ آدمحبت کی باتیں کرو" افدوکیسا نے مطالبہ کیا۔ دفعتاً خاموشی طاری ہو گئی۔

"ہاں۔ ہاں۔ تم آدنتسو فا کی بابت کچھ کہہ رہی تھیں۔ وہ خاتون کون ہے؟"

"نہایت خوبصورت عورت ہے۔ ایک دولتمند بیوہ۔ مگر وہ ابھی آزاد خیال نہیں ہوئی"

وہ دیر تک کھاتے رہے۔ شمپین کی چار بوتلیں یکے بعد دیگرے خالی ہو گئیں۔ افدوکیسا توقف کے بغیر بولتی رہی۔ ان میں شادی کے موضوع پر دیر تک بحث ہوتی رہی۔ سوال یہ تھا کہ شادی ایک تعصب تھی کہ ایک جرم۔ انسان انسان مساوی تھے کہ نہیں۔ یہ بحث اس لئے چھڑی تھی کہ افدوکیسا زیادہ پی گئی تھی۔ وہ پیانو کے گرد بیٹھ کر گانے لگی تھی۔ اس کی آواز بیٹھی ہوئی تھی۔ وکٹر سٹنکیف سر بر

رومال باندھ کر رقص کرنے لگا تھا۔

آرکیڈی سے یہ ہنگامہ برداشت نہ ہو سکا۔ بیزروف نے آخری بوتل کو ختم کیا اور اپنی میزبانہ سے اجازت لئے بغیر اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ دونوں اس عورت کے مکان سے باہر نکل آئے۔ وکٹر سٹنکیف نے ان کا تعاقب کیا۔

اس نے ان دونوں کے دائیں بائیں اچھلتے ہوئے پوچھا۔ "تمہارا اس کے متعلق کیا خیال ہے؟ اگر چند اور ایسی عورتیں ہوتیں تو روس کی نجات ناممکن نہ رہتی۔"

بیزروف نے جب اس کے اظہارِ خیال پر طنز کی تو وکٹر کھل کھلا کر ہنس پڑا۔ کیونکہ اسے معلوم نہیں تھا کہ بیزروف نے اسے برافروختہ کیا تھا یا اسکی تعریف کی تھی۔

(۱۲)

چند روز کے بعد گورنر کی مجلسِ رقص منعقد ہوئی۔ ماتفی ایلیچ واقعی صدرِ جلسہ ثابت ہوا۔ رئیسِ بلدیہ نے اعلان کیا کہ وہ محض اس کے احترام کی خاطر شاملِ جلسہ ہوا تھا۔ ماتفی ایلیچ ہر ایک کے سامنے سر جھکا رہا تھا۔ خاص طور پر وہ خواتین کے سلسلے میں زیادہ شائستگی کا ثبوت دے رہا تھا۔ وہ آرکیڈی کی پیٹھ پر ہاتھ تھپتھپا تا اور اسکو بھتیجا کہہ کر پکارتا تھا۔ مجلسِ رقص میں مردوں کا اژدہام تھا۔ عورتیں کم تھیں اندوکیسا کوشکینا بھی میلے دستانے پہن کر وہاں آئی ہوئی تھی۔ آرکیڈی بہت بری طرح ناچ رہا تھا۔ بیزروف ناچ سے گریز کر رہا تھا۔ آرکیڈی اور بیزروف نے ایک کونے میں جگہ حاصل کی ہوئی تھی۔ وکٹر سٹنکیمف بھی ان سے آملا تھا۔ بیزروف نے دفعتاً اپنے چہرے کے آثار بدلتے ہوئے دبی زبان میں اطلاع دی "آدنتسوفا بھی آئی ہوئی ہے۔"

آرکیڈی نے گردو پیش نظر دوڑائی۔ اس نے ایک طویل القامت عورت کو سیاہ لباس میں دروازے میں کھڑے پایا۔ اس کے چہرے میں متانت اور دلکشی تھی۔

"تم اس کو جانتے ہو؟" آرکیڈی نے وکٹر شٹنکیف سے سوال کیا۔
"ہاں۔ کیا میں تعارف کرواؤں؟"
"ضرور۔"
شٹنکیف آرکیڈی کو خاتون آدنتسوفا تک لے گیا۔ اس نے نہایت شاندار جملوں میں اس کا تعارف کروایا۔ آرکیڈی کا نام سن کر اس نے مسرت کا اظہار کیا۔ اس نے اس سے پوچھا کہ اس کے والد کا نام نکولائی پیٹرووچ تو نہیں تھا۔ آرکیڈی کا جواب اثبات میں تھا۔
"میں تم سے مل کر بہت خوش ہوئی ہوں۔" آدنتسوفا بولی۔
"کیا تم رقص کیا کرتی ہو؟" ایک اجوٹنٹ نے اس کے قریب آکر سوال کیا۔
"کیوں نہیں۔ تمہیں یہ وہم کیوں ہوا کہ میں رقص نہیں کرتی۔ کیا میں بوڑھی ہو چکی ہوں؟"
خاتون آدنتسوفا آرکیڈی سے بڑی تھی۔ اس کی عمر انتیس سال کی تھی۔ اسکی موجودگی میں آرکیڈی طالب علم دکھائی دیتا تھا۔ آدنتسوفا اجوٹنٹ کے کے ساتھ رقص کرنے لگی۔ آرکیڈی انہیں دیکھتا رہا۔ وہ ایک لمحہ کے لئے اپنی نگاہ اُن پر سے نہیں اٹھا رہا تھا۔ آدنتسوفا کی ناک باقی روسی عورتوں کی طرح آگے سے موٹی تھی۔ پھر بھی اس کا حسن دلفریب تھا۔ اس کی مترنم آواز اور اس کے لباس کی سرسراہٹ ابھی تک آرکیڈی کے کانوں میں گونج رہی تھی۔ رقص کے بعد وہ آرکیڈی کے پاس آگئی۔ آرکیڈی اس سے اپنے باپ کے متعلق باتیں کرنے لگا۔ آدنتسوفا توجہ سے اسکی باتیں سنتی رہی۔ ان کی گفتگو کا سلسلہ اس وقت ٹوٹتا جب کوئی رقاص اس کے قریب آکر اس کے ساتھ رقص کی درخواست کرتا۔ رقص کے بعد وہ پھر آرکیڈی کے پاس آجاتی۔

"تمہارے ساتھ کون بیٹھا ہوا تھا جب تمہیں سٹنکیت میرے پاس لایا تھا"
آدنتسوفا نے پوچھا۔
"میرا دوست بیز روف۔"
"خوبصورت جوان ہے۔" آدنتسوفا نے اظہارِ خیال کیا۔
"آرکیڈی گرمجوشی کے ساتھ اپنے دوست کی داستان سنانے لگا۔ رقص کی موسیقی ختم ہوئی تو گورنر خاتون آدنتسوفا کے قریب آیا۔ اس نے اپنا بازو پیش کیا۔ وہ اٹھ کر اس کے ساتھ چل دی۔ آرکیڈی بھی بیز روف کے پاس آگیا۔
"سناؤ تمہارا وقت کس طرح گذرا؟ بیز روف نے پوچھا۔" آدنتسوفا کیسی ہے؟"
"آدنتسوفا بہت خوش مزاج عورت ہے۔ لیکن بڑی سرد مہر ہے۔"
"دوسرے لفظوں میں وہ ٹھہرے ہوئے پانی کی طرح ہے۔"
"شاید تمہارا اندازہ درست ہے۔"
"کچھ بھی ہو اس کے شانے بینظیر ہیں۔ ایسے شانے میں نے آج تک نہیں دیکھے۔"
دونوں دوست کھانا کھا کر رخصت ہوئے۔ کشینا کی خود نمائی کو ٹھیس لگی تھی کیونکہ دونوں میں سے کسی نے بھی اس پر توجہ نہیں کی تھی۔
دوسرے دن بیز روف نے آرکیڈی سے کہا۔ "غوطہ تو ہم لگا ہی چکے ہیں۔ اب تہ تک پہنچنا ضروری ہے۔"
"کیا مطلب ہے تمہارا؟"
"نادان کیوں بنتے ہو۔ تم ہی نے بتایا تھا کہ آدنتسوفا نے ایک امیر بوڑھے سے شادی کی تھی۔ دولتمند بوڑھے سے شادی کرنے میں میرے نزدیک کوئی برائی نہیں۔ میں قصبے کی افواہوں کی پروا نہیں کرتا۔"
دونوں دوستوں نے آدنتسوفا کے مکان پر جا کر دستک دی۔ بیز روف

آدنتسوفا کی موجودگی میں گھبرا گیا۔ آدنتسوفا پُرسکون تھی۔ اس کی نگاہیں بیزروف پر جمی رہیں۔

انا سرگیفنا آدنتسوفا۔۔ سرجی راکنف کی بیٹی تھی جو اپنے مردانہ حسن کی وجہ سے بہت بدنام تھا۔ پیٹرزبرگ اور ماسکو میں اس نے پندرہ سال تک سنسنی پیدا کئے رکھی تھی۔ آخرکار اس نے اپنے آپ کو مکمل طور پر تباہ کر لیا تھا اور دیہات میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ اس کی ماں نے اپنے خاوند کے عین عالم شباب میں دم توڑ دیا تھا۔ ماں کی وفات کے بعد آدنتسوفا مشکل میں گرفتار ہو گئی تھی۔ اس نے نہایت اچھی تعلیم حاصل کی تھی۔ اپنی تعلیم کی وجہ سے اس نے اپنی زندگی بڑی تکالیف میں بسر کی تھی۔ وہ پڑوسیوں سے بات تک نہیں کرتی تھی۔ اس کا والد پڑوسیوں سے متنفر تھا۔ اور پڑوسی اس سے نفرت کرتے تھے۔ آدنتسوفا نے اپنی چچیری بہن کو اور اس کی ماں کو اپنے پاس بلا بھیجا تھا۔ بڑھیا ہر وقت برانگیختہ سی رہتی۔ گھر کے بہترین کمرے انہوں نے سنبھال لئے تھے۔ پھر بھی بڑھیا مطمئن نہیں تھی۔ آدنتسوفا بڑے صبر و تحمل کے ساتھ زندگی بسر کر رہی تھی۔ لیکن اس کی تقدیر میں کچھ اور ہی لکھا تھا۔ چھیالیس سال کے بوڑھے آدنتسوف کی نگاہ اس پر پڑ گئی۔ وہ ایک صحت مند بوڑھا تھا۔ اس نے اس سے شادی کی درخواست کی انا سرگیفنا نے انکار نہ کیا۔ اس کی موت کے بعد اس نے اپنی بہن کے ساتھ پردیس کا سفر کیا۔ بدیسی ممالک کی سیر و سیاحت کے بعد وہ دیہات میں مقیم ہو گئی۔

آدنتسوفا بہت کم قصبوں اور شہروں کا رُخ کرتی تھی۔ صوبے میں آدنتسوفا کو بہت کم پسند کیا جاتا تھا۔ دراصل لوگ ابھی تک اس کی عجیب و غریب شادی کے واقعے کو بھولے نہیں تھے۔

خاتون آدنتسوفا آرام کرسی میں اپنے ہاتھ باندھ کر بیٹھی ہوئی تھی اور بیزروف

کی باتیں سن رہی تھیں۔ وہ اپنی عادت کے خلاف بہت باتیں بنا رہا تھا۔ آرکیڈی متحیر ہو رہا تھا۔ آدنتسوفا دل میں سوچ رہی تھی کہ بزروف گھبرایا ہوا تھا۔ اور اس کی خوشامد کر رہا تھا۔ آدنتسوفا کا ... بہت وسیع تھا۔ وہ نہایت اچھی روسی زبان بول سکتی تھی۔ آدنتسوفا نے گفتگو کا رخ موسیقی کی طرف موڑ دیا۔ آرکیڈی بھی قومی ترانوں کا موضوع لے کر گفتگو میں شامل ہو گیا۔ آدنتسوفا آرکیڈی کے ساتھ اس طرح سلوک کر رہی تھی جیسے وہ اس کا چھوٹا بھائی ہو۔ تین گھنٹوں تک ان کی گفتگو میں زندگی رہی۔ بیشمار موضوعات زیرِ گفتگو آئے۔

آخرکار دونوں دوست اٹھے اور انہوں نے رخصت طلب کی۔ "اگر تمہیں وقت ہو تو مجھ سے نکولسکو میں ملنے کے لئے آنا۔"

"ہم ضرور آئیں گے۔" آرکیڈی نے دیکھا کہ اس کے دوست کے گالوں پر سرخی دوڑ گئی تھی۔

بازار میں پہنچ کر آرکیڈی نے اپنے دوست سے پوچھا۔ "کیا اب بھی تمہاری اس کے متعلق وہی رائے ہے؟"

"میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ وہ فی الحقیقت ملکہ ہے۔ صرف تاج کی ضرورت ہے۔ میں نے ایسا جسم کبھی نہیں دیکھا۔ کاش میں اس کی تشریح کر سکوں۔ ہمیں اس کے ہاں جاکر ضرور رہنا چاہیے۔"

تین دنوں کے بعد دونوں دوست نکولسکو کو جانے والی سڑک پر تھے۔ دن چمکیلا تھا اور گھوڑے مست خرامی سے کام لے رہے تھے۔ نہ جانے کیوں آرکیڈی مسکرایا۔

—— (۱۴) ——

اناسرگیفنا کا دیہاتی مکان ایک ننگی پہاڑی پر واقع تھا۔ اس کے قریب ہی

زرد رنگ کا کلیسا استادہ تھا۔ معمار نے یہ دونوں عمارتیں مرحوم آدنتسوف کی مرضی کے مطابق بنائی تھیں۔ پرانے باغ کے درختوں نے گھر کو سائے میں لیا ہوا تھا۔ دربان نے دونوں دوستوں کا خیر مقدم ہال میں کیا۔ منتظم خانہ سیاہ کوٹ پہنے ہوئے نمودار ہوا اور وہ ان کو سیڑھیوں کے راستے اوپر لے گیا۔ اس نے ان کے لئے دو بستر تیار کروائے اور غسل کا سامان بھی رکھ دیا۔ اس نے اعلان کیا کہ انا آدنتسوفا آدھ گھنٹے تک ان کے پاس آئے گی۔

"اگر کوئی اور خدمت کر سکوں تو فرمائیے۔" منتظم خانہ نے پوچھا۔

"فی الحال تو کوئی کام نہیں۔ البتہ ایک گلاس واڈکا کا مل جائے تو کیا بات ہے۔" بیزروف نے کہا۔

منتظم خانہ چلا گیا تو بیزروف نے کہا۔ "آخر کار ہم ملکۂ معظمہ کے حضور میں باریاب ہو ہی گئے۔"

"ملکۂ معظمہ ہی تو ہے جس نے پہلی ہی ملاقات میں ہم سے دو رئیسوں کو اپنے ہاں آنے کی دعوت دیدی۔" آرکیڈی نے کندھے جھٹکتے ہوئے کہا۔ وہ بھی گھبراہٹ محسوس کر رہا تھا۔

آدھ گھنٹے کے بعد بیزروف اور آرکیڈی نشست گاہ میں داخل ہوئے۔ یہ ایک طویل و عریض کمرہ تھا نہایت مکلف۔ دیوار پر ہلکے رنگ کے بالوں والے ایک مرد کی تصویر لٹکی ہوئی تھی جو آنے والوں پر خشم آلود نگاہیں ڈالتی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ یہ مرحوم آدنتسوف کی تصویر تھی۔ چند لمحوں کے بعد آدنتسوفا داخل ہوئی۔ اس کے چہرے پر تازگی تھی وہ بولی۔ "ایفائے عہد کے لئے میں تمہاری شکر گذار ہوں۔ میں تم سے درخواست کروں گی کہ میرے ہاں چند روز رہنے کی تکلیف گوارا فرمائیے۔ میری ایک بہن ہے جو نہایت اچھا پیانو بجاتی ہے۔

میں نے سن رکھا ہے کہ تم دونوں موسیقی کے شیدائی ہو۔ میری ایک چچی بھی ہے۔ دو چار پڑوسی کبھی کبھی تاش کھیلنے آجایا کرتے ہیں۔"

خاتون آدنتسوفا نے یہ تقریر اس طرح اگل دی جیسے اس نے یاد کر رکھی تھی۔

آرکیڈی کو معلوم ہوا کہ اس کی ماں آدنتسوفا کی ماں کی سہیلی تھی۔ اور راز دار بھی۔

آرکیڈی نے اپنی ماں کا ذکر چھیڑ دیا اور بیزروف نے البم دیکھنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا

"پکی اور سیدھی ہوئی بلی سے واسطہ پڑ رہا ہے۔"

دفعتاً نشستگاہ میں بھورے رنگ کا شکاری کتا داخل ہوا اس کے پیچھے اٹھارہ سال کی نوجوان لڑکی ہاتھ میں پھولوں کی ٹوکری لئے ہوئے آئی۔

"یہ میری بہن کیٹیا ہے۔" کیٹیا سرنگوں ہو گئی۔

"یہ پھول تم خود توڑ کر لائی ہو؟" آدنتسوفا نے سوال کیا۔

"ہاں۔"

"چچی چائے پر آرہی ہے؟"

"ہاں۔"

جس وقت کیٹیا بولتی تھی اس کے لبوں پر دلفریب تبسم آجاتا تھا۔ اس کے گلابی ہاتھ۔ اس کے قرمزی گال۔ وہ ہر اعتبار سے نوجوان معلوم ہوتی تھی۔ شباب کی مکمل تصویر۔ وہ بات بات پر شعلہ گوں ہو جاتی تھی۔ اسکا دم پھولنے لگتا تھا۔

"بیزروف تم تصویریں محض اخلاق کے طور پر دیکھ رہے ہو۔ نزدیک آجاؤ کوئی بات ہی کریں۔"

بیزروف نزدیک آگیا۔ "کونسے موضوع پر بحث کرنا چاہتی ہو؟"

"جو تمہیں پسند ہو۔ مگر میں تمہیں مطلع کر دوں کہ میں بہت نکتہ آفریں ہوں۔"

"تم؟"

"ہاں۔ تم حیران کیوں ہوگئے؟"

"میرا تو اندازہ ہے کہ تمہارا کردار نہایت پُرسکون ہے۔"

"تم نے اس قدر جلد مجھے کیونکر سمجھ لیا۔ میں پُرسکون ہوں اور ضدی بھی۔ کیٹیا سے پوچھ لو۔"

"میں تمہاری البم میں سکینس پہاڑیوں کے نظارے دیکھ رہا تھا۔ تم نے اظہارِ خیال کیا تھا کہ مجھے آرٹ سے دلچسپی نہیں۔ شاید تم نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ لیکن یہ پہاڑیاں تو مجھے ارضیاتی اعتبار سے دلچسپ معلوم ہوتی ہیں۔"

"اچھا تمہیں آرٹ سے بالکل محبت نہیں" آدنتسوفا اپنا منہ اس کے قریب لاکر بولی "لیکن اس کے بغیر گذارا کس طرح کرتے ہو؟"

"کیا میں سوال کرسکتا ہوں۔ آرٹ کی ضرورت ہی کیا ہے؟"

"مطالعہ اور معلومات کے لئے آرٹ سے بہترین اور کوئی ذریعہ نہیں۔"

بیزروف مسکرایا۔ "سب سے پہلے تو زندگی کا تجربہ سب کچھ سکھا دیتا ہے، دوسرے میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ مطالعہ افراد کو جدا کردیتا ہے۔ ہر شخص دوسرں کی طرح ہے۔ ہر شخص کے پہلو میں دل ہے۔ سر میں دماغ ہے۔ اخلاقی خصوصیات بھی ہر ایک میں ایک سی ہیں۔ لوگ جنگل کے درختوں کی طرح ہیں۔ کوئی ماہر نباتات صرف شاخ کا ہی مطالعہ نہیں کرتا۔"

کیٹیا پھولوں کو سجا رہی تھی۔ اس نے گھبرائی ہوئی نگاہوں سے بیزروف کی طرف دیکھا۔

"جنگل کے درخت" آدنتسوفا نے جملہ دہرایا۔ "تمہارے نزدیک تو بیوقوف اور عقلمند میں کوئی فرق نہ ہوا۔ خوش مزاج اور بدمزاج میں کوئی تمیز نہ ہوئی۔"

"نہیں کوئی فرق نہیں۔ بنیاد ایک ہی ہے۔ تپ دق کے مریض کے پھیپھڑے بھی اسی سانچے میں ڈھالے جاتے ہیں جن میں صحت مند لوگوں کے پھیپھڑے تیار ہوتے ہیں۔ اخلاقی اور جسمانی بیماریاں بعد میں پیدا ہوتی ہیں۔ اخلاقی بیماریاں بری تعلیم سے اور جسمانی بیماریاں برے افعال سے پیدا ہوتی ہیں۔ سماج کی اصلاح کردو دونوں بیماریوں کا نام ونشان نہ رہے گا۔" بزروف اتنا کہہ کر کھڑکی کے باہر دیکھنے لگا اور اپنی مونچھوں کو سہلانے لگا۔

"اس سے تم نے یہ نتیجہ نکالا کہ جب سماج کی اصلاح ہوجائے گی تو بیوقوف اور بدکردار لوگ پیدا ہی نہ ہوں گے۔"

"اچھی سماج میں اچھے اور برے آدمی کی قدر یکساں ہوگی۔"

"تمہارا مطلب ہے کہ منضبط سماج میں ہر شخص کا مساوی درجہ ہوگا۔"

"بالکل۔"

"تمہارا کیا خیال ہے آرکیڈی نکولوفچ؟"

"مجھے بافگنی وسلیف سے اتفاق ہے۔"

"کیٹیا نے اپنی پلکوں کے نیچے سے اسے دیکھا۔

"تم مجھے غرقِ حیرت کر رہے ہو۔ میں اپنی چچی کے قدموں کی آواز سن رہی ہوں۔ وہ چائے پینے کے لئے آرہی ہے۔"

اتنا سر گیفنا کی چچی شہزادی ح ...... دبلی پتلی اور نکیلی ناک کی عورت داخل ہوئی اور اس نے جھک کر مہمانوں کی عزت افزائی کی۔ کیٹیا نے بڈھی عورت کے لئے اسٹول بچھا دیا۔ بڑھیا نے اس کا شکریہ نہ ادا کیا۔

"رات تمہیں نیند تو اچھی آئی چچی؟"

"نہیں۔ یہ کتا بھونکتا رہتا ہے۔ اور مجھے نیند نہیں آتی۔"

کیٹیا نے کتے کو باہر بھگا دیا۔ جب دروازہ بند کر دیا گیا تو وہ پھر بھونکنے لگا۔
"میرا خیال ہے کہ چائے تیار ہو چکی ہے۔"
شہزادی کچھ کہے بغیر کرسی سے اٹھی۔ سب اس کے عقب میں چلنے لگے۔ شہزادی کھانے کے کمرے میں اپنی مخصوص نشست پر بیٹھ گئی۔ چائے آ گئی۔ بڑھیا نے اپنے پیالے میں شہد ملایا۔ آرکیڈی اور بیزروف نے اسکی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ چائے کے بعد آدنتسوفا نے سیر کی رائے دی۔ لیکن بارش شروع ہو گئی تھی۔ ساری جماعت ایک دفعہ پھر نشست گاہ میں لوٹ آئی۔ پڑوس سے تاش کھیلنے والے بھی آ گئے۔ آنے والا ایک مضبوط اور گٹھیلے جسم کا مرد تھا۔ آدنتسوفا نے کیٹیا کو پیانو بجانے کا حکم دیا۔ کیٹیا پیانو کے گرد بیٹھ گئی۔ آرکیڈی اپنی مرضی کے خلاف اس کے عقب میں روانہ ہوا۔
"میں تمہیں کیا سناؤں؟" کیٹیا نے آرکیڈی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
"جو چیز تمہیں زیادہ پسند ہو۔"
"موزرٹ کا نغمہ پسند کرو گے؟"
"ہاں۔ ہاں۔"
موزرٹ کا نغمہ فضا میں لرزنے لگا۔ آرکیڈی سوچنے لگا "نوجوان دوشیزہ پیانو برا نہیں بجاتی اور خود بھی بری نہیں۔" نغمہ ختم ہوا تو کیٹیا نے پوچھا کہ وہ کوئی اور چیز پسند کرے گا مگر آرکیڈی نے جواب دیا کہ وہ اسے زیادہ تکلیف نہیں دینا چاہتا تھا۔ کیٹیا شرمیلی نہیں تھی پھر بھی وہ اٹھ کر پھولوں کو ترتیب دینے لگی۔ آرکیڈی شکاری کتے کی پیٹھ سہلانے لگا۔
بیزروف اسی اثنا میں روپے ہار رہا تھا۔ بیزروف کافی رقم ہار گیا۔ شام کے کھانے پر ایک دفعہ پھر علم نباتات پر بحث چھڑ گئی۔

" کل ہم سیر کو نکلیں گے ہیں نہیں جنگلی پھولوں کے نام بتانا چاہتی ہوں۔
جب ہیز روف اپنے دوست کے ساتھ تنہا ہوا تو اس نے کہا " بڑی عقلمند عورت ہے آدنتسوفا ۔! اس کی بہن کیسی ہے ؟"
" خاموش اور شرمیلی ہے ۔ اچھوتی کلی ہے ۔ اس کلی کو شگفتہ کرنے کی ضرورت ہے ۔"

ادھر انا آدنتسوفا بھی اپنے مہمان کو پسند کر رہی تھی ۔ اس نے ہیز روف میں ایک نئی بات دیکھی تھی جو پہلے اس کی نظر سے کبھی نہیں گذری تھی ۔
آدنتسوفا ایک عجیب و غریب عورت تھی ۔ اس کے دل میں کوئی تعصب نہیں تھا ۔ وہ اپنے جذبات کو بے قابو نہیں ہونے دیتی تھی ۔ اسے بے شمار چیزوں میں دلچسپی تھی ۔ لیکن کسی چیز سے اس کی تسکین نہیں ہوتی تھی ۔ دراصل وہ مکمل سیرابی کی قائل بھی نہیں تھی ۔ اگر وہ دولت مند نہ ہوتی تو شاید ہوا و ہوس کا شکار ہو جاتی ۔ زندگی اس کے لئے کیونکہ آسان ہو چکی تھی اس لئے وہ بعض اوقات اکتا جایا کرتی تھی ۔ اکثر اوقات اس کی نگاہوں کے سامنے رنگین خواب رقص کرنے لگتے تھے ۔ اس کا تصور حد سے تجاوز کر جاتا تھا ۔ اس لئے کہ اس کی رگوں میں ابھی تک خون کا دورہ دھیما نہیں پڑا تھا ۔ غسلخانے سے نکل کر بعض اوقات وہ زندگی کی بے کیفی پر غور کرنے لگتی تھی ۔ اس کا حوصلہ بلند ہو جاتا تھا ۔ دفعتاً " کھڑکی میں سے سرد جھونکا آتا تھا اور وہ بھی سرد ہو جاتی تھی ۔
محبت میں ناکام عورتوں کی طرح اسے بھی کسی چیز کی تمنا رہتی تھی ۔ اسے کسی چیز کی ضرورت نہیں تھی پھر بھی اسے خیال رہتا تھا کہ اسے کسی چیز کی ضرورت ہے ۔
آدنتسف اس کا مرحوم خاوند اس کے لئے ناقابل برداشت تھا ۔ لیکن اس نے اسکی بیوی بننا قبول کر لیا تھا ۔ بدیس میں اس کی ملاقات ایک خوبصورت سویدی

سے ہوئی تھی۔ اس نوجوان نے اسے متاثر بھی کیا تھا لیکن وہ روس واپس آگئی تھی۔
"یہ ڈاکٹر ایک عجیب وغریب شخص ہے۔ وہ لیٹی ہوئی سوچ رہی تھی۔ اسے اپنے گناہگار باپ سے محبت رہی تھی۔ وہ اپنے تمام راز اس سے کہدیتی تھی۔ اس کے مشورے پر ہمیشہ عمل کیا کرتی تھی۔ اسے اپنی ماں کے خدوخال بھی یاد نہ تھے۔ "یہ ڈاکٹر عجیب وغریب شخص ہے"۔ اس نے اپنے خیال کو دہرایا اور انگڑائی لی۔

دوسرے دن صبح کو وہ ہیز روف کے ساتھ سیر کو گئی اور دوپہر کے کھانے پر تاخیر سے پہنچی۔ آرکیڈی کہیں بھی نہ گیا۔ وہ کیٹیا کے ساتھ رہا۔ آج وہ اس کے ساتھ قطعاً نہ اکتایا۔ کیٹیا کے رخسار فروزاں تھے۔ آدنتسوفا بھی اپنے جلتے ہوئے رخسار لے کر آئی تھی۔ آرکیڈی اس تبدیلی پر حیران تھا۔

(۱۴)

وقت ــــ بعض اوقات پرندے کی طرح اڑتا ہے اور بعض اوقات رینگنے لگتا ہے۔ لیکن خوشی کے عالم میں وقت اس طرح گذرتا ہے کہ اس کی رفتار کا بالکل پتہ نہیں چلتا۔ آرکیڈی اور ہیز روف کی زندگی کے پندرہ دن آدنتسوفا کے ہاں اسی طرح گذر گئے۔ آدنتسوفا کا گھر اعلیٰ انتظام کی نادر مثال تھا۔ آدنتسوفا اس خانگی تنظیم کی سختی سے پابند تھی۔ ہر چیز اپنے وقت پر ہوتی تھی۔ صبح کے وقت میزبانہ اپنی جائداد کے کام میں مشغول رہتی۔ دوپہر کو کھانا کھایا جاتا۔ شام کو تاش کھیلے جاتے یا موسیقی سے دل بہلایا جاتا۔ رات کو ساڑھے دس بجے آدنتسوفا [illegible] خوابگاہ میں چلی جاتی۔ ہیز روف کو یہ تنظیم اور یہ باقاعدگی قطعی پسند نہ تھی۔ ہیز روف نے اس ناپسندیدگی کا اظہار بھی کر دیا۔ آدنتسوفا نے اس کی رائے کا برا نہ منایا بلکہ تسلیم کیا کہ وہ اس بارے

میں راستی پر تھا۔ آدنتسوفا کے ہاں دونوں دوستوں کا مختصر سا قیام ان میں کافی تبدیلیاں لے آیا تھا۔ بیزروف بات بات پر بھڑک اٹھتا تھا۔ آرکیڈی کو معلوم ہو چکا تھا کہ وہ آدنتسوفا کی زلفِ گرہ گیر کا اسیر ہو چکا تھا۔ آرکیڈی خود بھی کیٹیا کی نگاہوں کا بسمل ہوتا جا رہا تھا۔ ادھر کیٹیا محسوس کر رہی تھی کہ آرکیڈی کی صحبت میں اسے تسکین میسر آتی تھی۔ آرکیڈی اور کیٹیا آدنتسوفا کی موجودگی میں شرمائے شرمائے سے رہتے تھے۔ وہ اس کے سامنے آپس میں بہت کم باتیں کرتے تھے۔ آرکیڈی جانتا تھا کہ وہ آدنتسوفا کے لئے بہت نوعمر تھا۔ کیٹیا کی موجودگی میں وہ بیباک ہو جایا کرتا تھا۔ اور بے تکلف بھی۔ وہ اسے شعر سناتا۔ ناول پڑھ کر سناتا۔ کیٹیا ان معمولی معمولی باتوں سے بے حد خوش ہوتی۔ ایسا معلوم ہوتا کہ دونوں جوڑے اپنے اپنے راستے پر گامزن ہو چکے تھے۔ اس طرح دونوں دوستوں کے رشتے میں بھی انقلاب آ گیا۔ بیزروف نے آرکیڈی سے آدنتسوفا کے متعلق کوئی بات کرنے سے احتراز شروع کر دیا۔ مگر آرکیڈی بیزروف کے سامنے کیٹیا کی تعریف کرتا رہا۔ بیزروف اسے اپنے جذبات قابو میں رکھنے کی تلقین کرتا۔ آرکیڈی کو اس کی نصیحت اچھی نہ لگتی۔ اس نے بھی آخر کار اس سے کیٹیا کے متعلق بات کرنی بند کر دی۔ اس کا سبب آدنتسوفا کی طرف سے بیزروف کے دل میں پھوٹتا ہوا نیا احساس تھا۔ یہ احساس اسے تکلیف بھی دے رہا تھا۔ اور پاگل بھی بنا رہا تھا۔ بیزروف نسوانی حسن کا شیدائی تھا۔ اس کا عقیدہ تھا اگر کوئی عورت تم پر مائل ہو جاتی ہے تو انجام تک اس کے ساتھ لپٹے رہو۔ اگر تمہیں کامیابی نصیب نہ ہو تو منہ موڑ لو۔ کوئی دوسری ڈھونڈ لو کیونکہ سمندر مچھلیوں سے بھرا ہوا ہے۔ اس کا خیال تھا کہ آدنتسوفا اس پر مائل ہو چکی

تھی۔ وہ اپنے عقیدے کو اس پر آزمانا چاہتا تھا۔ وہ اس کی موجودگی میں تو اپنے سکون کا مظاہرہ کرتا مگر تنہائی میں تصوریت پسند ہو جاتا۔ وہ سونا چاہتا مگر اسے نیند نہ آتی۔ وہ آدنتسوفا کے بازو اپنی گردن میں حائل دیکھتا اور اپنے لبوں کو اس کے لبوں پر پیوست پاتا۔ وہ اپنے آپ کو اس وقت بھول جاتا۔ بعض اوقات وہ سوچنے لگتا کہ آدنتسوفا میں بھی تبدیلیاں واقع ہو رہی تھیں۔

بیزروف غلطی پر نہیں تھا۔ اس نے آدنتسوفا کو بہت متاثر کر دیا تھا۔ وہ ہر وقت اس کے متعلق سوچتی رہتی تھی۔ اس کی عدم موجودگی میں بھی وہ دلچسپ خواب دیکھتی رہتی۔ جس وقت وہ سامنے آتا تو وہ اس کے ساتھ تنہائی کی خواہش کرنے لگتی۔ وہ اس سے باتیں کرنا چاہتی۔ اسے پروا نہیں تھی کہ وہ اس کی بلند مذاقی پر بھی تنقید کرتا تھا۔ ایک دن باغ میں ٹہلتے ہوئے اس نے اعلان کیا کہ وہ اپنے باپ کے ہاں جلد جانا چاہتا تھا۔ اس اعلان پر آدنتسوفا کو تکلیف ہوئی۔ بعد میں وہ دیر تک سوچتی رہی کہ اس کی روانگی کی خبر سن کر اسے رنج کیوں ہوا تھا۔ اسی دن اس کے باپ کا کارندہ اس سے ملا۔ وہ شہر کسی کام کی غرض سے آیا تھا۔ اس نے شہر میں بیزروف کی موجودگی کی خبر سنی۔ اس لئے وہ ملنے چلا آیا۔ اس نے اپنے والدین کی خیریت پوچھی۔ کارندے نے بتایا کہ وہ اس سے ملنے کے بیتاب تھے۔

"ان سے کہہ دینا کہ میں جلد ان سے ملونگا۔" کارندہ سر جھکا کے روانہ ہو گیا۔

اسی دن کی شام کو آدنتسوفا بیزروف کے ساتھ نشستگاہ میں بیٹھی ہوئی تھی۔ آرکیڈی چہل قدمی کرتا ہوا پیانو سن رہا تھا جس کے گرد کیٹیا بیٹھی ہوئی تھی۔ شہزادی ح.... اپنے کمرے میں بند تھی۔

"تم ہمیں چھوڑ کر کیوں جا رہے ہو؟ اپنا وعدہ تو یاد کرو۔" آدنتسوفا نے

"کونسا وعدہ؟" بیز روف نے پوچھا۔
"تم مجھے کیمیاوی علم کا درس دینا چاہتے تھے۔"
"میں مجبور ہوں۔ میرا والد میرے انتظار میں ہے۔"
"بیز روف نے دیکھا کہ آدنتسوفا کا چہرہ زرد پڑ گیا تھا۔" تمہیں کہو کہ میں یہاں کس لئے رہوں۔"
"کیا تمہیں یقین نہیں کہ تمہیں یہاں کوئی یاد کرے گا۔"
"ایسے لوگ بھی ہیں۔ جو یاد کئے جانے کے قابل نہیں ہوتے۔ ان میں سے میں ایک ہوں۔"
"تم چاہے کچھ کہو۔ تمہارے جانے کے بعد میں اداس ہو جاؤں گی۔
"یہ اداسی جلد دور ہو جائے گی۔ تمہیں نے تو مجھے بتایا تھا کہ تم اس وقت اداس ہوتی ہو جب تمہاری باقاعدہ زندگی میں فرق پڑ جائے۔"
"کیا میں اتنی ہی پابند ہوں۔"
"ہاں ابھی دس بجیں گے اور تم مجھے کمرے سے نکال دو گی۔"
"نہیں۔ میں ایسا نہیں کروں گی۔ تم ٹھہر سکتے ہو۔ وہ کھڑکی کھول دو۔"
بیز روف نے اٹھ کر کھڑکی کھول دی۔ گہری تاریک رات جھانکنے لگی۔ تازہ ہوا کے جھونکے کمرے میں آنے لگے۔ "کھڑکی میں پردہ گرا کے میرے پاس آ بیٹھو۔" آدنتسوفا نے حکم دیا۔ "تمہارے جانے سے پہلے میں تم سے باتیں کرنا چاہتی ہوں۔ تم مجھے اپنے متعلق کچھ بتاؤ۔"
"ہاں تم سے دلچسپ موضوعات پر بات کرنا چاہتا ہوں۔ یہ موضوع بے کیف ہے۔"
"پھر بھی اپنے متعلق کچھ تو بتاؤ۔ اپنے کنبے کے متعلق۔ اپنے والد کے متعلق

جو تمہیں ہم سے چھین رہا ہے۔"

"تمہارے لئے ہم بہت حقیر لوگ ہیں۔"

"اور تم مجھے خاندانی رئیسہ سمجھتے ہو؟"

"ہاں۔ آدنتسو فا مسکرائی؟ تم مجھے بہت کم جانتے ہو۔ میں تمہیں سوانح حیات پھر کبھی سناؤنگی پہلے تم اپنے سناؤ۔"

"میں شاید تمہیں بہت کم جانتا ہوں۔ شاید ہر کوئی ایک معمہ ہے۔ تم اژدحام پسند نہیں کرتیں مگر تم نے دو طالب علموں کو اپنے پاس بلایا ہے تم اپنے حسن کے باوجود دیہات میں کیوں رہتی ہو؟"

"تمہیں بتاؤں۔"

"شاید اس لئے کہ تم آرام اور آسانی چاہتی ہو۔"

آدنتسو فا پھر مسکرائی۔ "مجھے آج پتہ چلا ہے کہ تم بالکل مجھ ایسے ہو۔ اسی لئے ہم دوست بن گئے ہیں۔"

"دوست بن گئے ہیں۔" بیزروف نے اس کا جملہ دہرایا اور کمرے میں ٹہلنے لگا۔ آدنتسو فا پر بھی ایک چھپا ہوا جذبہ طاری ہو گیا۔ بیزروف کو اس کے دل کا حال معلوم ہو گیا۔ اسے احساس ہوا کہ وہ کمرے میں ایک خوبصورت عورت کے ساتھ تنہا تھا۔

"کہاں جا رہے ہو؟" آدنتسو فا نے پوچھا۔

اس نے کوئی جواب نہ دیا اور پھر بیٹھ گیا۔

"مجھے اپنے دل کا حال معلوم ہے میں بہت ناخوش ہوں۔"

"تم اور ناخوش۔ یہ کیونکر ہو سکتا ہے۔" بیزروف نے کہا۔

"مجھے واقعی سکون اور آرام سے محبت ہے۔ مگر میں جلنا نہیں چاہتی۔"

"تم صحت مند ہو۔ تمہارے پاس بے شمار دولت ہے ۔ تمہیں اور کیا چاہیئے۔"

"مجھے کیا چاہیئے ۔ میں تھک چکی ہوں ۔ میں بوڑھی ہو چکی ہوں ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے میں نے بہت طویل زندگی بسر کی ہے ۔ میری نگاہوں کے سامنے میری گذشتہ زندگی ہے ۔ پیٹرزبرگ کی زندگی ۔ دولت اور پھر افلاس ۔ اب میرے سامنے ایک لمبی سڑک پھیلی ہوئی ہے ۔ جس پر میں چلنا نہیں چاہتی ۔"

"تم کسی فریب میں تو مبتلا نہیں ہو ؟"

"نہیں ۔"

"دراصل تم کسی سے محبت نہیں کر سکتیں اس لئے ناخوش ہو ۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو ۔"

"دوسرے کمرے سے پیانو بجنے کی صدا ابھی تک آرہی تھی ۔

"کیٹیا ابھی تک پیانو بجا رہی ہے ۔ کیا بات ہے ؟"

"بہت دیر ہو چکی ہے میں چلتا ہوں ۔"

"تھوڑی دیر اور ٹھہرو مجھے تم سے ایک بات کہنا ہے ۔"

"کیا بات ہے ؟"

"تھوڑی دیر ٹھہرو تو سہی ۔"

"بیزروف پھر کمرے میں ٹہلنے لگا ۔ دفعتاً اس نے آدنتسوفا کا ہاتھ دبایا اور اس نے کہا "شب بخیر" ۔ اتنا کہہ کر وہ کمرے سے باہر نکل آیا ۔ اس نے آدنتسوفا کی انگلیاں بری طرح مروڑ دی تھیں ۔ وہ انگلیوں پر پھونکیں مارنے لگی ۔ وہ دروازے کی طرف بڑھی جیسے وہ بیزروف کو واپس لانا چاہتی تھی وہ دروازے میں بے حس و حرکت کھڑی رہی ۔ اس کا جوڑا کھل گیا ۔ اس رات

وہ رات دیر تک بستر پر کروٹیں بدلتی رہی۔

بیزروف دو گھنٹے کے بعد اپنی خوابگاہ میں آیا۔ اس کے بوٹ شبنم سے بھیگے ہوئے تھے۔ آرکیڈی کتاب پڑھ رہا تھا۔

"آج آدنتسوفا کے پاس بہت دیر تک رہے ہو؟" آرکیڈی بولا۔

"ہاں میں اس وقت تک اس کے پاس رہا جب تک تم پیانو سنتے رہے ہو۔"

آرکیڈی کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔ مگر وہ اپنے دوست کے سامنے نہیں رونا چاہتا تھا۔ اس لئے منہ ڈھانپ کر سو گیا۔

(۱۵)

بیزروف دوسرے دن کی صبح کو چائے کی پیالی پر سر جھکائے رہا۔ دفعتاً اس نے آدنتسوفا کی طرف دیکھا۔ اس کا چہرہ کل رات سے زرد پڑ گیا تھا۔ وہ تیزی کے ساتھ اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی اور دوپہر کے کھانے کے قبل کہیں نظر نہ آئی۔ صبح سے مینہ پڑ رہا تھا۔ سیر کو جانا مشکل تھا۔ ساری جماعت نشستگاہ میں جمع ہوئی۔ آرکیڈی نئے رسائل کے مضامین بلند آواز سے پڑھتا رہا۔ بوڑھی شہزادی اس کی اس حرکت پر ناپسندیدگی کا دل ہی دل میں اظہار کر رہی تھی۔

"یا فگنی وسلیف کیا تم میرے کمرے میں چلو گے؟ میں درسی کتابوں کے متعلق تم سے مشورہ لینا چاہتی ہوں۔" آدنتسوفا نے کہا۔ وہ اٹھی اور اپنے کمرہ میں چل دی۔ بیزروف نے اس کا ساتھ دیا۔ کمرے میں پہنچ کر آدنتسوفا بولی۔ "درسی کتابوں کے متعلق مشورہ تو ایک بہانہ تھا۔ دراصل میں کل رات کی گفتگو کو جاری رکھنا چاہتی ہوں۔"

"میں خدمت کے لئے حاضر ہوں مگر کل رات ہم باتیں کیا کر رہے تھے؟"

آدنتسوفا نے اس کی طرف کنکھیوں سے دیکھا۔

"ہم مسرت کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے۔ بتاؤ کہ باتیں کرتے ہوئے اور لطف اندوز ہوتے ہوئے ہمیں یہ کیوں محسوس ہوتا ہے کہ حقیقی مسرت یہاں نہیں کہیں اور ہے۔"

کیا تم نے مشہور ضرب المثل نہیں سنی۔ "جہاں ہم نہیں ہوتے وہیں مسرت ہوتی ہے۔"

"سنو میں تمہارے ساتھ بہت دنوں سے کھل کر باتیں کرنا چاہتی ہوں۔ تمہیں بھی شاید اس بات کا احساس ہو۔ تم نوجوان ہو۔ ابھی طویل زندگی تمہارے سامنے ہے۔ میرا مطلب ہے کہ تم کس چیز کا حصول چاہتے ہو۔ تمہارے دل میں کیا ہے۔ قصہ کوتاہ تم کون ہو۔ اور کیا ہو؟"

"تم تو مجھے حیرت زدہ کر رہی ہو۔ تم جانتی ہو کہ میں طالب علم ہوں۔ اور ڈاکٹر بننا چاہتا ہوں۔"

"ٹھہرو۔ مجھے یقین ہے کہ تم اس حقیر ذریعہ معاش سے مطمئن نہیں ہو سکتے۔ تم مجھے ٹالنے کی غرض سے یہ جواب دے رہے ہو۔ کیونکہ تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں۔ میں تمہیں سمجھتی ہوں یا فگنی دمیلیف۔ میں بھی تمہاری طرح غریب اور آرزومند رہی ہوں۔ میں بھی اسی آزمائش میں سے گذری ہوں جس میں سے تم گذر رہے ہو۔"

"فی الحقیقت مجھے یہ عادت نہیں کہ اپنے متعلق لاف زنی سے کام لوں۔ میرے اور تمہارے درمیان ایک وسیع خلیج بھی حائل ہے۔"

"کیسی خلیج۔ کیوں ایسی باتیں کرتے ہو۔ میرا خیال ہے کہ میں ثابت کر چکی ہوں کہ میں تم سے مختلف نہیں ہوں۔"

"اس کے علاوہ تو مستقبل کے متعلق یونہی گپ ہانکنے سے کیا فائدہ۔"

"دوستانہ گفتگو کو تم کیا سمجھتے ہو۔ تمہیں مجھ سے نفرت کیوں ہے"۔

"مجھے تم سے نفرت نہیں آدنتسوفا۔ تم جانتی ہو"۔

"میں کچھ بھی نہیں جانتی۔ تم اپنے دل کی بات کیوں نہیں کہتے"۔

"تم کہتی ہو؟"

"ہاں۔ میرے کان میں تو کوئی کہہ رہا ہے کہ ہماری ملاقات یونہی نہیں ہوئی"۔

"اچھا تو تم یہ جاننا چاہتی ہو کہ میرے دل میں کیا گذر رہی ہے۔ سنو گی اور ناراض تو نہیں ہوگی؟"

"نہیں"۔

"تم پھر مجھے بتانے دو کہ میں تم سے بیوقوفوں کی طرح محبت کرتا ہوں۔ دیوانے کی طرح۔ آخر تم نے میرے منہ سے یہ الفاظ نکلوا ہی لئے"۔

آدنتسوفا نے اپنے دونوں ہاتھ سینے پر رکھ لئے۔ بیزروف اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ وہ زور زور سے سانس لے رہا تھا۔

"یا فگنی وسیلیت۔" آدنتسوفا کی آواز میں ملائمت تھی۔

بیزروف تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اس کے قریب آیا اور اس نے اسے دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر اپنے سینے سے چمٹا لیا۔ ایک لمحے کے لئے تو آدنتسوفا نے کوئی مزاحمت نہ کی لیکن دوسرے لمحے وہ اس سے الگ کھڑی تھی۔

"تم نے مجھے غلط سمجھا ہے"۔ آدنتسوفا کہہ رہی تھی۔ بیزروف اس کی طرف بڑھا۔ وہ پھر بولی۔ "تم نے مجھے غلط سمجھا ہے"۔ بیزروف کو ایسا معلوم ہوا کہ اگر اس نے ایک قدم اس کی طرف اٹھایا تو وہ چیخ اٹھے گی۔ وہ ہونٹ کاٹتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔

آدھ گھنٹے کے بعد بیزروف کی طرف سے آدنتسوفا کو ایک رقعہ ملا جس میں

لکھا تھا کہ وہ آج ہی چلا جائے کہ کل تک ٹھہر سکتا تھا۔

"تم کیوں جاؤ۔ دراصل تم مجھے سمجھے ہی نہیں۔" آدنتسوفا نے جواب دیا۔

دوپہر کے کھانے پر آدنتسوفا نہ آئی۔ وہ اپنے کمرے میں ٹہلتی رہی۔ اس نے آئینے میں اپنی صورت دیکھی۔ اس کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔ "مجھے اس کے ساتھ نہیں کھیلنا چاہیئے۔ نہ جانے اس کا کیا انجام ہو۔ امن اور سکون بہت بڑی نعمت ہے۔"

اس کے دل کا سکون برباد نہیں ہوا تھا۔ پھر بھی وہ اداس تھی۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھیگ گئی تھیں۔ آدنتسوفا کی خود ضبطی عظیم الشان تھی جس وقت وہ نشستگاہ میں داخل ہوئی تو گھبرائی گھبرائی سی تھی۔ اس کا کارندہ ابھی ابھی قصبے سے آیا تھا جو اپنے ساتھ بے شمار خبریں لایا۔ آرکیڈی کیٹیا کے ساتھ دبی زبان میں گفتگو کر رہا تھا۔ بیزروف خاموش اور سنجیدہ تھا۔ آدنتسوفا نے کنکھیوں سے اس کی طرف دو مرتبہ دیکھا۔ اس نے دیکھا کہ اس کی جھکی ہوئی نگاہوں میں "نہیں..... نہیں" لکھا ہوا تھا۔ کھانے کے بعد ساری جماعت باغ میں آگئی۔ آدنتسوفا نے دیکھا کہ بیزروف اس سے بات کرنا چاہتا تھا۔ وہ ایک طرف کو ہو گئی۔ بیزروف اس کے قریب آگیا مگر اس نے اپنی آنکھیں اوپر نہ اٹھائیں۔

"میں تم سے معافی مانگنے آیا ہوں۔ تم مجھ سے ناراض ہو گی۔"

"نہیں میں تم سے ناراض نہیں ہوں۔ لیکن مجھے افسوس ضرور ہے۔"

"کچھ بھی سہی۔ مجھے کافی سزا مل چکی ہے۔ تم نے مجھے لکھا تھا کہ جا کیوں رہے ہو۔ میں اب اگر چاہوں بھی تو ٹھہر نہیں سکتا۔ میں کل جا رہا ہوں۔"

"یا فئتی وسیلیفت تم کیوں......"

"میں جا رہا ہوں کیونکہ میں جانتا ہوں کہ تمہیں مجھ سے محبت نہیں۔ تم مجھے

کبھی محبت نہیں کر سکو گی۔"

انا نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ سوچنے لگی۔ "میں اس مرد سے ڈرتی ہوں۔"

"اچھا خدا حافظ۔" بیزروف گھر کی طرف چل دیا۔

آدنتسوفا نے کیٹیا کو اپنے پاس بلایا اور اسے شام تک اپنے سے جدا نہ ہونے دیا۔ آدنتسوفا کا چہرہ زرد تھا۔ وہ نہ تاش کھیلنے کے لیے آئی نہ چائے پینے کے لیے۔ آرکیڈی مذبذب تھا۔ وہ اس افسردگی اور بے توجہی کا مطلب نہیں سمجھ سکتا تھا۔ آدنتسوفا اس سے بات کرنا چاہتی تھی۔ مگر وہ حیران تھی کہ اسے مخاطب کیونکر کرے۔

ایک خلافِ توقع واقعہ نے اسے اس کشمکش و پیچ سے نجات دلائی۔ منتظم خانہ نے سٹنکیت کی آمد کا اعلان کیا۔

آدنتسوفا حیران تھی کہ اس نے اسے اپنے ہاں آنے کی دعوت نہیں دی تھی پھر بھی وہ چلا آیا تھا۔ سٹنکیت کا دل لرز رہا تھا۔ اس نے آتے ہی سب کو رٹے ہوئے انداز میں مخاطب کیا۔ خاتون کوکشینا نے ان سب کی خیریت دریافت کرنے کے لیے اسے روانہ کیا تھا۔ یہاں پہنچ کر وہ اس قدر گھبرا گیا کہ اپنی ٹوپی پر بیٹھ گیا۔ اس کی آمد کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ جو صورتِ حال پیچیدہ ہو گئی تھی سلجھ گئی۔

اس رات کو اپنی خوابگاہ میں آرکیڈی سوچ رہا تھا کہ بیزروف ملول کیوں تھا۔ کیا وہ اس لیے افسردہ خاطر تھا کہ اپنے والدین سے ملنے جا رہا تھا۔

"کل میں بھی تمہارے ساتھ چل پڑوں گا بیزروف۔ میں تمہارے والدین سے مل کر یقیناً خوش ہوتا مگر میں تمہارے اور تمہارے والدین کے رشتے میں حائل نہیں ہونا چاہتا تھا۔ کیا تم وہیں پر ہمارے ہاں آؤ گے۔ میں تمہارا ساتھ جولائی تک

دوں گا۔"

"میری تمام چیزیں تمہارے ہاں پڑی ہیں اس لئے ضرور آؤں گا۔"

آرکیڈی دل میں سوچنے لگا۔ "مجھ سے یہ کیوں نہیں پوچھتا کہ میں کیوں جا رہا ہوں، میں کیوں جا رہا ہوں۔ یہ کیوں جا رہا ہے۔ بیزروف کے جانے کے بعد میرا یہاں رہنا مناسب نہیں۔ کیٹیا مجھ سے بیزار ہے۔"

یکایک آرکیڈی کے منہ سے یہ الفاظ نکل گئے۔ "سٹنکیف یہاں کیا لینے آیا ہے؟"

بیزروف نے بستر میں کروٹ بدلی اور بولا۔ "سٹنکیف رحمت کا فرشتہ ہے جو ہماری زنجیریں توڑنے کے لئے آیا ہے۔"

دوسرے دن جب آرکیڈی نے آدنتسووا کو بتایا کہ وہ بھی بیزروف کے ساتھ جا رہا ہے تو اس نے حیرت کا اظہار نہ کیا۔ سٹنکیف نے دیکھا کہ اس کے ساتھی جا رہے تھے۔ وہ بھی تیار ہو گیا۔ اس نے بیزروف سے کہا کہ اس کی گاڑی بڑی آرام دہ تھی۔ وہ اسے چوکی تک لے چلیگا۔ کھانا کھانے کے بعد مہمان رخصت ہوئے۔ آدنتسووا نے سب کے ساتھ ہاتھ ملایا اور بولی۔ "مجھے امید ہے کہ ہم پھر ملیں گے۔"

"اگر تمہارا یہی حکم ہے تو ضرور ملیں گے۔"

آرکیڈی سب سے پہلے سٹنکیف کی گاڑی پر سوار ہوا۔ وہ ہولافسکی پہنچ گئے۔ جب انہیں گھوڑوں کی چوکی سے دوسری گاڑی مل گئی تو آرکیڈی نے کہا۔

"میں بھی تمہارے ساتھ تمہارے گھر چلوں گا۔"

"تم سوچ کیا رہے ہو۔ چلو بیٹھو گاڑی میں۔" بیزروف نے حکم دیا۔ سٹنکیف ادھر ادھر ٹہل رہا تھا۔ جب اس نے یہ الفاظ سنے تو وہ بھونچکا

رہ گیا۔

بیزروف کی گاڑی چل پڑی اور جلدی آنکھوں سے اوجھل ہو گئی۔ سٹنکیف نے اپنے کوچوان کو بھی واپسی کا حکم دیا اور اس نے خاتون کوکشنیا کے ہاں پہنچکر دم لیا۔ بیزروف کے پہلو میں بیٹھ کر آرکیڈی نے اس کا ہاتھ زور سے دبایا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بیزروف نے رات جاگ کر کاٹی تھی۔

"بھائی مجھے سگریٹ تو دو۔ دیکھو تو میری زبان کیا زرد ہے؟"

"ہاں" آرکیڈی نے جواب دیا۔

"سگریٹ مجھے بدذائقہ معلوم ہو رہا ہے"

"تم بدلے ہوئے دکھائی دیتے ہو"

"گھبراؤ نہیں۔ ہم بہت جلد پھر سے سطح پر آ جائیں گے۔ مجھے ایک پریشانی ہے۔ میری ماں بہت نرم دل ہے۔ جب تک دن میں دس مرتبہ تجھے کچھ کھلا نہ لے دم نہیں لیتی۔ میرا والد سادہ مزاج اور سرد و گرم چشیدہ ہے"

"تمہارا مکان یہاں سے بہت دور ہے؟"

"ہاں" بیزروف نے بولا۔ "لیکن اس کوچوان سے پوچھو"

آرکیڈی نے یہ سوال کوچوان سے کیا۔

"کون جانتا ہے حضور۔ یہاں سنگ میل تو نصب نہیں ہیں"

"سنا۔ اور تمہیں اس سے سبق حاصل کرنا چاہیئے۔ زندگی کو پیمانے سے نہیں ماپنا چاہیئے۔ یہ شخص نہ جانے کیوں پیمانے کا قائل ہے۔ زندگی میں انسان یونہی بڑھتی ہیں میرے دوست" بیزروف جھنجھلایا ہوا تھا۔ یکایک اس نے کوچوان سے سوال کیا "تمہاری بیوی ہے؟"

کسان کوچوان نے اپنی دھندلی آنکھیں دکھاتے ہوئے کہا "بیوی کس

مرد کی نہیں ہوتی۔"

"کیا تم اپنی بیوی کو پیٹتے بھی ہو؟"

"جب تک کوئی معقول وجہ نہ ہو بیوی کو نہیں پیٹا جاتا۔"

"خوب۔ کیا بیوی بھی تمہیں کبھی پیٹتی ہے؟"

کوچوان نے لگامیں زور سے کھینچیں اور خشم آلود ہو کر بولا " آپ تو مذاق کر رہے ہیں۔"

" مذاق نہیں کر رہا۔ ہم ابھی ابھی پٹ کر آرہے ہیں۔ تعلیم یافتہ لوگوں کا یہی حال ہے۔"

آرکیڈی کو بیس میلوں کی مسافت چالیس میل سے کم نہیں معلوم ہو رہی تھی۔ آخر کار بیلیں دکھائی دیں۔ اور بیلوں میں چھپا ہوا مکان نظر آیا۔ قریب ہی دو کسان آپس میں لڑ رہے تھے اور ایک دوسرے کو گالیاں دے رہے تھے

" دیکھا تم نے میرے والد کے کسان زیادہ منظلوم نہیں۔ مگر یہ کیا۔ سیڑھیوں میں کون کھڑا ہے۔ میرا والد ہی تو ہے۔ اس نے پہیّوں کی کھڑکھڑاہٹ سن لی ہوگی۔ بچارے کے بال سفید ہو گئے ہیں۔" بیزروف نے ہمدردی کا اظہار کیا۔

(۱۶)

بیزروف جھپک کر گاڑی سے باہر نکلا۔ آرکیڈی نے اپنے دوست کے کندھوں پر سے دیکھا۔ اسے ایک چھوٹے سے مکان کے سامنے ایک دبلا پتلا اور بکھرے بکھرے بالوں والا شخص نظر آیا۔ وہ پائپ پی رہا تھا۔ اس نے اپنی آنکھوں پر ہتھیلی کا سایہ کیا ہوا تھا۔ گھوڑے رک گئے۔

" آخر پہنچ ہی گئے۔" بیزروف کے باپ نے کہا۔ اس کے بعد باپ اور بیٹے میں ہم آغوشیاں ہونے لگیں۔

"اینوشا، اینوشا!" اندر سے ایک بوڑھی عورت کی کانپتی ہوئی آواز سنائی دی۔ دروازہ کھلا۔ چھوٹے قد کی نرم و گداز عورت باہر نکلی۔ وہ سسکیاں بھرنے لگی۔ اس نے اپنے بیٹے کے سینے پر سر رکھ دیا۔

"بس جانے دو۔ بس جانے دو۔" بزروف کا باپ چلا رہا تھا۔

"آہ وسیلی آئی فانوچ ایک مدت کے بعد میرا اینوشا......" اس کا جھریوں سے بھرا ہوا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا۔

"معاف کرنا۔ عورتوں کی کمزوری کو تم سمجھتے ہی ہو۔ ماں کا دل۔ ماں کا دل" بزروف کے والد نے آرکیڈی سے کہا۔

بزروف ماں سے بولا۔ "آؤ اندر چلیں۔" بزروف ایک دفعہ پھر اپنے باپ سے لپٹ گیا۔ اس نے آرکیڈی کا تعارف کروایا۔

"میں تم سے ملکر بے حد خوش ہوا ہوں۔ آرنیا۔ آرنیا۔ اب جانے بھی دو۔ ہمارا مہمان کیا خیال کرے گا۔"

"مجھے معاف کرنا۔ میرا خیال تھا کہ میں اپنی زندگی میں اپنے بیٹے سے نہیں مل سکوں گی۔" آرنیا نے آرکیڈی سے ملائم آواز میں کہا۔ "اینوشا مجھے ایک دفعہ اور بغلگیر ہو لینے دو۔ تم کتنے اچھے نوجوان بن گئے ہو۔"

"آرنیا۔ تم اپنا دل بھر چکی ہو۔ مہمانوں کی تواضع کا بندوبست کرو۔" بزروف گھر میں داخل ہوا۔ اس کا گھر چھ کمروں پر مشتمل تھا۔ چھوٹے چھوٹے چھ کمرے۔ جس کمرے میں وہ سب داخل ہوئے وہ دارلمطالعہ تھا۔ ایک دیوار پہ شمشیر ٹنگی تھی۔ شیلف میں کتابیں ترتیب سے رکھی ہوئی تھیں۔

"آرکیڈی نکولوئچ ہم غریب ہیں اور......"

"ایسی باتیں کیوں کرتے ہو آرکیڈی جانتا ہے کہ ہم دولتمند نہیں۔" بزروف

نے دخل اندازی کی۔
"یا فگتی۔ میں سب سے اچھا کمرہ آرکیڈی کے لئے وقف کردونگا"
"شکریہ" آرکیڈی نے مختصر سا جملہ کہا۔
"تموتیخ تمام انتظامات مکمل کردو" افانوتیخ بولا۔
کمرہ خالی رہ گیا دونو دوست تنہا رہ گئے۔
"یہ ریاست میرے والد کی نہیں ماں کی ہے۔ گھر میں پندرہ غلام کسان ہیں"
اتنے میں آئی فانوتیخ دوبارہ نمودار ہوا۔
"چند لمحوں میں تمہارے کمرے تیار ہوجائینگے۔ یہ رہا تمہارا خادم" اس نے
ایک بارہ سالہ لڑکے کی طرف اشارہ کیا۔ شہری نوکروں کا سا تو کام نہیں دے
سکتا۔ البتہ پائپ میں تمبا کو ضرور بھر سکتا ہے"
"میں سگار پیا کرتا ہوں" آرکیڈی بولا۔
سب بیٹھ گئے اور باتیں ہونے لگیں۔ بیزروف نے بتایا کہ وہ کیا تھا۔ اس
نے کہا کہ وہ کسی اعتقاد کا قائل نہیں تھا حتیٰ کہ ادویات کا بھی نہیں۔
"اور تم ڈاکٹر بننے والے ہو۔ ڈاکٹر ہو کر ایسی باتیں کرتے ہوئے" بیزروف کے
والد کو اچنبھا ہو رہا تھا۔ "اچھا میں تم سے بحث نہیں کرتا۔ میں کیا ہوں! ایک
پنشن یافتہ فوجی ڈاکٹر۔ میں نے بے شمار مجالس دیکھی ہیں۔ پھر بھی میں بوڑھا ہو
چکا ہوں اور نوجوان نسل کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ تمہارے دادا کو میں جانتا ہوں
آرکیڈی نکولوتیخ۔ وہ ہماری فوج میں جرنیل تھا۔ بہت اچھا آدمی تھا"
آرکیڈی مسکرایا۔ بیزروف نے انگڑائی لی۔ بیزروف کا والد کھکھلا کر ہنستا
رہا۔ اتنے میں ملازم نے آکر اطلاع دی کہ کھانا میز پہ لگ چکا تھا۔
ویسلی آئی فانوتیخ سب سے پہلے اٹھا۔ کھانا جلدی میں پکایا گیا تھا مگر نہایت

لذیذ تھا۔ کمرے میں مکھیاں بہت زیادہ تھیں۔ جنہیں غلام کسان اڑاتا رہتا تھا۔ بیزروف کی ماں داخل ہوئی اس نے ریشمی لباس پہنا ہوا تھا۔ بیزروف کو دیکھ کر وہ پھر رونے لگی۔ آنسوؤں سے اس کا شال بھیگ گیا۔ اس کی نگاہیں اپنے بیٹے کے چہرے پر سے اٹھ نہیں رہی تھیں۔ وہ سوچ رہی تھی۔ "اینوشا کا کچھ پتہ نہیں شاید وہ دو دن ہی ٹھہرے"۔ اس خیال سے اس کا دل ڈوب ڈوب جاتا تھا۔ شمپین کی نصف بوتل ختم ہو چکی تھی۔ نصف باقی بوتل کے تین گلاس بھرے گئے۔ بیزروف کے باپ نے آرکیڈی کی صحت کا جام تجویز کیا۔ اس نے شراب کا جام اپنی بیوی کو بھی دیا۔ کھانے کے بعد چائے آگئی۔ پھر وسیلی آئی فانویچ اپنے مہمانوں کو اپنا باغ دکھانے کے لئے لے گیا۔

رات آئی تو بیزروف اپنے کمرے کی طرف بڑھا۔ اس کی ماں نے تین مرتبہ اسے دعا دی۔ بیزروف کے باپ نے آرکیڈی کے کمرے تک اس کی راہنمائی کی۔ وسیلی آئی فانویچ اپنے بیٹے سے باتیں کرنا چاہتا تھا لیکن اس نے نیند کا بہانہ کیا۔ وہ بچارا اٹھ کر آگیا۔ لیکن بیزروف صبح تک جاگتا رہا۔ اس کی ماں صبح تک اس کے حق میں دعا کرتی رہی۔

آرنیا ولاسفنا صحیح معنوں میں روسی عورت تھی۔ دراصل اسے دو صدیاں پہلے پیدا ہونا چاہیئے تھا۔ وہ توہم پرست تھی۔ وہ چوبیس گھنٹوں میں سے دس گھنٹے سوتی تھی۔ اس نے آج تک ایک کتاب بھی نہیں پڑھی تھی۔ اپنی جوانی میں وہ خوبصورت تھی۔ وہ فرانسیسی زبان بھی بول لیتی تھی۔ اسے اپنے بیٹے سے بے پناہ محبت تھی۔

صبح کو جب آرکیڈی بیدار ہوا تو اس نے کھڑکی کھول دی۔ باغ میں اس کی نگاہ وسیلی آئی فانویچ پر پڑی۔ وہ باغ میں کھدائی کر رہا تھا۔ اپنی کہنیوں پر

جھک کر اس نے پوچھا۔

"تمہیں نیند تو اچھی آئی آرکیڈی نکولینچ ؟"

"چائے سے پہلے کیا باغ کی تازہ ہوا کھانے کے لئے آؤ گے ؟"

آرکیڈی اس کے پاس آ گیا۔ وسیلی آئی وانویچ فوجی انداز میں اپنے ہاتھ کو سر تک لے گیا اور بولا "خوش آمدید" پھر اس نے اپنی آنکھیں سکیڑیں۔ "میں خوش ہوں کہ تمہارے جیسے بڑے لوگ بھی جھونپڑے کو کبھی کبھی پسند کر لیتے ہیں"

"میرے خدا۔ ہم بڑے آدمی نہیں ہیں" آرکیڈی نے صدائے احتجاج بلند کی۔

"معاف کرنا" وسیلی شائستگی کے ساتھ گویا ہوا۔ "اب میں گوشہ نشین ہو گیا ہوں تو کیا میں نے ایک دنیا دیکھی ہے۔ میں ماہر نفسیات بھی ہوں۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم میں اور میرے بیٹے میں گہری دوستی ہے۔ بیزروف صبح اٹھنے کا عادی ہے۔ آج بھی سیر کو گیا ہوا ہے۔ مجھے اس سوال کے لئے معاف فرمائیے میرے بیٹے سے تمہاری ملاقات کب سے ہے ؟"

"پچھلی سردیوں سے"

"میرے خیال میں ہم بیٹھ کیوں نہ جائیں۔ باپ ہونے کی حیثیت میں ایک اور سوال میں کرنا چاہتا ہوں۔ یاگنی کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے ؟"

"تمہارا بیٹا لاکھوں میں ایک ہے"

وسیلی کے رخسار سرخ ہو گئے۔ کدال اس کے ہاتھوں سے گر پڑی۔

"تمہارا خیال ہے کہ......"

"ہاں میرا خیال ہے کہ تمہارے بیٹے کا مستقبل نہایت شاندار ہے۔ وہ تمہارا نام روشن کرے گا"

"تم نے مجھے بہت خوش کیا ہے۔ میں تمہارا شکر گذار ہوں۔" اس نے اپنا حلق صاف کیا اور پھر بولا۔" میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں کہ میں اپنے بیٹے کا پرستار ہوں۔ لیکن میں اپنے جذبات اس پر ظاہر نہیں کر سکتا۔ وہ ایسی باتوں کو پسند نہیں کرتا۔"

"میں جانتا ہوں تمہارا بیٹا ایک بے نیاز سا شخص ہے۔"

"ہاں۔ ہاں۔ بے نیاز سا۔ مجھے اس پر ناز ہے۔ شاید ایک دن اس کے سوانح حیات میں یہ سطور لکھی جائیں۔ وہ ایک سادہ مزاج فوجی ڈاکٹر کا بیٹا تھا جس نے اپنے بیٹے کو اعلیٰ تعلیم دلوانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔"

آرکیڈی نے اس کا ہاتھ دبایا۔

"تمہارا کیا خیال ہے ادویات کے سلسلے میں وہ شہرت حاصل ہوگی جس کے تم متوقع ہو؟"

"پھر کس فن میں؟"

"یہ کہنا تو مشکل ہے لیکن وہ بہت بڑی شہرت حاصل کریگا۔"

"وہ بہت بڑی شہرت حاصل کرے گا......" وسیلی نے آرکیڈی کا جملہ دہرایا

اتنے میں چائے کا پیغام آگیا۔ دونوں اٹھ کر گھر کی طرف چل دئے۔

دوپہر کو چمکیلی دھوپ میں دونوں دوست گھاس پر درخت کے سائے میں لیٹے ہوئے تھے۔

بیزروف کہہ رہا تھا۔" ان درختوں نے بچپن میں مجھ پر جادو کئے رکھا تھا۔ ان کے نزدیک آکر میں کبھی بیزار نہیں ہوا کرتا تھا۔ لیکن اب یہ جادو ٹوٹ چکا ہے۔

"تم یہاں کتنے سال رہے تھے؟" آرکیڈی نے سوال کیا۔

"دو سال پھر ہم نے جہاں گردی اختیار کر لی تھی۔ ایک قصبے سے دوسرے قصبے تک۔ آوارگی کی زندگی۔"

"یہ مکان پرانا بنا ہوا ہے؟"

"ہاں، میرے دادا کے وقت کا۔"

"تمہارا دادا کیا تھا؟"

"جنرل سافورف کی فوج میں جرنیل تھا۔"

"تمہارے والدین بچپن میں تمہارے ساتھ سختی تو نہیں کیا کرتے تھے۔"

"میرے والدین اور سختی۔ یہ تو دو متضاد باتیں ہیں۔"

"یا نگی تمہیں اپنے والدین سے محبت ہے؟"

"ہاں۔ آرکیڈی۔" چند لمحوں تک خاموشی طاری رہی۔

"جانتے ہو میں اس وقت کیا سوچ رہا ہوں؟" بیزروف نے دفعتاً کہا۔

"نہیں۔ کیا سوچ رہے ہو؟"

"میں سوچ رہا ہوں کہ زندگی میرے والدین کے لئے سرتاپا مسرت ہے۔ میرا والد ساٹھ برس کا ہو چکا ہے۔ لیکن اب بھی دوڑتا پھرتا ہے۔ بڑھ بڑھ کر باتیں بناتا ہے۔ میری ماں کو سسکیاں بھرنے اور کراہنے کے سوا اور کوئی کام نہیں۔ وہ خود کو بھی بھولی ہوئی ہے۔"

"اور تم؟"

"میں سوچتا ہوں کہ یہاں گمنام پڑا ہوا ہوں۔ میرے جسم نے کس قدر کم جگہ گھیری ہوئی ہے۔ جو جگہ میں نے گھیری نہیں ہوئی اسے مجھ سے کوئی واسطہ نہیں۔ میری زندگی کا عرصہ نہایت قلیل ہے۔ یا ابدیت کے دورانیے میں جو گزرا نہیں۔ اور میں کیا ہوں۔ ایک ذرہ۔ ذہن کام کر رہا ہے۔ رگوں میں خون

دوڑ رہا ہے۔ ہر وقت کسی نہ کسی چیز کا طلبگار رہتا ہوں۔ کتنی قابلِ مذمت ہے یہ بات۔"

"تمہاری اس بات کا اطلاق تو مجھ پر ہوتا ہے۔"

"ہاں۔ہاں۔تم پر بھی۔میں کہنے والا تھا کہ میرے والدین اپنے کام میں منہمک ہیں اور انہیں اپنی لاشئیت کا احساس نہیں۔ادھر میں ہوں کہ سوائے غصہ اور بیزاری کے ان۔ کچھ محسوس نہیں کرسکتا۔"

"غصہ کیوں؟"

"تم سب کچھ جانتے ہو...... مجھے اسی بات پر فخر ہے کہ میں نے اپنے آپکو کچل دیا ہے۔میں نے اپنے آپ کو تباہ کرلیا ہے۔ مجھے یہ بھی خوشی ہے کہ مجھے ایک عورت نے تباہ کیا ہے۔"

تھوڑی دیر تک پھر خاموشی رہی۔

"انسان ایک عجیب وغریب حیوان ہے۔" ہیزروف نے آغاز کیا۔

"تم کھاتے ہو۔ پیتے ہو۔تمہیں اور کیا چاہیے؟"

"یا لگتی آج تم پر اداسی کا موڈ طاری ہے۔"

"ڈوبتے سورج نے میرے ذہن کو سست کردیا ہے۔سوئے ہوئے انسان کا چہرہ تم جانتے ہو حسین نہیں ہوتا۔"

"تمہارے متعلق جو رائے لوگ رکھتے ہیں اس کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟"

"ایک سچے انسان کو ان باتوں کی پروا نہیں ہونی چاہیئے۔انسان یا تو اطاعت قبول کرے یا نفرت کرنے لگے۔"

"میں کسی سے نفرت نہیں کرسکتا۔" آرکیڈی نے کہا۔

"میں تو ہزاروں سے نفرت کرتا ہوں۔ تم دراصل کمزور ہو۔ تمہیں اپنے آپ پر بھی اعتماد نہیں اس لئے تم کسی سے نفرت نہیں کر سکتے۔"

"اور تم اپنے بارے میں کیا کوئی بڑی رائے رکھتے ہو؟"

جس روز میں ایسے شخص سے ملونگا جو میرے علاوہ اپنی انفرادیت کو قائم رکھ سکے گا تو میں اپنے بارے میں اپنی رائے تبدیل کرونگا۔"

"چلو۔ چل کے سو جائیں۔"

دونوں دوستوں پر معاندانہ خیالات کا دورہ پڑا ہوا تھا۔ پانچ منٹوں کے بعد بیزروف گویا ہوا۔

"آرکیڈی میرے دوست بعض اوقات تم اپنے ضعیف العقل چچا کی طرح باتیں کرنے لگتے ہو۔"

"کیا کہا۔ تمہارا یہ جملہ ناقابل برداشت ہے۔"

"کیوں خاندانی جذبات جوش مار رہے ہیں کیا اسلئے۔ خاندانی جذبہ لوگوں میں کس قدر عام ہے۔ کوئی بھی اپنے بھائی کو جو واقعی چور ہے چور تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔"

"تم نے دراصل میرے چچا کا غلط اندازہ لگایا ہے۔ یا لگنی ہم لڑ پڑینگے۔"

"آہ آرکیڈی۔ آؤ ایک دفعہ ہم خلوص کے ساتھ لڑیں۔"

"باتوں سے لڑنے کا انجام ......"

"تمہارا مطلب ہے کہ مارکٹائی ہو۔ تم میرے اچھے مدِمقابل نہیں ہو۔ میں تمہیں گردن سے دبوچ لونگا۔" بیزروف نے اپنی لمبی اور مضبوط انگلیاں پھیلا دیں۔

"یہ کیا کر رہے ہو۔ میں تمہیں ہر جگہ ڈھونڈ آیا ہوں۔" بیزروف کا

باپ دور سے چلایا۔ "کھانا تیار ہے، میں تمہیں یہ اطلاع دینے آیا ہوں۔
آج ہمارے ساتھ گاؤں کا بوڑھا پادری بھی کھانا کھا رہا ہے۔"

"کہیں میرے حصے کا کھانا بھی نہ وہ کھا جائے۔" بیزروف نے طنز کی۔
وسیلی آئی فانووچ نے قہقہہ لگایا۔ "پادری الیکسی تم سے ملنے کے لئے بیقرار
ہے۔ تمہیں بوڑھا پادری ضرور پسند آئیگا۔"

پادری الیکسی خوبصورت اور گٹھیلے جسم کا انسان تھا۔ اس نے تیزی کے
کے ساتھ بیزروف اور آرکیڈی کے ساتھ ہاتھ ملایا۔ اس نے انہیں دعا دی۔
اس نے دو گلاس شراب کے پیئے۔ جب تیسرا گلاس اسے پیش کیا گیا تو اس نے
انکار کر دیا۔ آرکیڈی سے اس نے سگار لے لیا۔ مگر اس نے اسے سلگایا نہیں۔ کہنے لگا
کہ وہ اس سگار کو گھر جا کر پئے گا۔ کھانے کے بعد تاش کھیلے گئے۔ وہ بھی میز
کے گرد بیٹھ گیا۔ اس نے بیزروف سے دو روبل جیت لئے۔

پادری الیکسی نے کہا۔ "تاش کھیلتے وقت جوش میں آجاتے ہو۔"
بیزروف نے کندھے جھٹکائے اور خاموش ہو گیا۔

دوسرے دن آرکیڈی سے بیزروف نے کہا۔ "میں کل یہاں سے چل پڑونگا۔
یہاں مجھ سے کام نہیں ہو سکے گا۔ میں کام کرنا چاہتا ہوں۔ میں اپنی ماں کی
سسکیاں اور کراہیں برداشت نہیں کر سکتا۔"

جب بیزروف نے اپنی روانگی کی اطلاع اپنے والد کو دی تو اس پر سکتہ طاری
ہو گیا۔ یہ اطلاع اس پر ضرب کی طرح پڑی۔ اسے صدمہ ہوا۔

"ابا میرے لئے گاڑی کا انتظام کر دینا۔"

"کر دوں گا۔ کر دوں گا۔" وسیلی کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔ اس نے
منہ پھیر لیا۔ وسیلی کو اپنی بوڑھی بیوی پر رحم آنے لگا۔ جو بیزروف کے کمرے کو

مزین کرنے کا ارادہ کر چکی تھی۔

ایک دن کے بعد بیزروف اور آرکیڈی رخصت ہوئے۔ گھر میں اداسی مسلط ہو گئی۔ ملازم بھی اداس ہو گئے۔ آرینا روتی رہی۔ اس کی ہچکی بندھ گئی تھی اس کا خاوند اسے تسلی دیتا رہا۔ لیکن بڑھیا کے آنسو تھمنے کا نام نہیں لیتے تھے۔ بیزروف نے وعدہ کیا کہ وہ ایک مہینے کے بعد واپس آجائے گا۔ بڑھیا بیٹے کو اپنی آغوش سے آزاد نہیں کر رہی تھی۔ بڑی مشکل سے بڑھیا کو پر سکون کیا گیا۔ گاڑی گرد وغبار اڑاتی ہوئی نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔ وسیلی نے رومال لانا بند کر دیا۔ اور آخر کار کرسی میں دھنس گیا۔" وہ ہمیں چھوڑ گیا ہے۔" وسیلی کا سر اس کے سینے پر گر گیا۔" آرینا! بیٹے پرندوں کی طرح ہوتے ہیں۔ جب جی چاہتا ہے گھر اڑ آتے ہیں۔"

اس نے اپنی بیوی کا ہاتھ زور سے دبایا اتنے زور سے کہ جوانی میں بھی اس نے اتنی سختی سے اس کا ہاتھ نہیں دبایا ہوگا۔ اس کی بیوی ہی اس کے غم کی تسکین تھی۔

(۱۷)

فیدت کی چوکی تک دونوں دوستوں میں بہت کم تبادلۂ الفاظ ہوا۔ آرکیڈی اپنے آپ سے ناخوش تھا۔ فیدت کی چوکی پر گھوڑے تبدیل کیے گئے کوچوان نے پوچھا۔" بائیں کو یا دائیں کو۔"

آرکیڈی چونک پڑا۔ دائیں سڑک قصبے کو جاتی تھی اور بائیں سڑک خاتون آدنتسوفا کے ہاں۔ آرکیڈی نے بیزروف کی طرف دیکھا اور بولا۔

" یافگنی بائیں کو چلیں۔"

" یہ کیا حماقت ہے۔"

"حماقت ہی سہی۔"

بیزروف نے اپنی ٹوپی اپنی آنکھوں تک کھینچ لی۔ اور کوچوان کو حکم دیا۔

"بائیں طرف موڑلو۔"

گاڑی نے نکوسکو کا رخ کیا۔ آدنتسوفا کے مکان پر دونوں دوستوں کو پتہ چلا کہ ان کا وہاں کوئی متوقع نہیں تھا۔ وہ دیر تک نشستگاہ میں بیٹھے رہے۔ آدنتسوفا داخل ہوئی تو اس کے انداز سے دونوں دوستوں پر یہ راز کھلا کہ وہ انہیں وہاں دیکھ کر خوش نہیں ہوئی تھی۔ انہوں نے جلدی میں اسے مطلع کیا کہ وہ صرف چند گھنٹوں کے لیئے اس کے ہاں آئے تھے۔ کیٹیا بیمار تھی۔ اس لیئے وہ اپنے کمرے سے باہر نہ نکلی۔ چار گھنٹے ادھر ادھر کی گپ شپ میں گذر گئے۔ اس کے بعد دونوں دوست ایک دفعہ پھر گاڑی میں سوار ہوئے اور قصبے میں ٹھہرے بغیر سیدھے گھر پہنچے۔

مارنیو میں ہر کوئی انہیں دیکھ کر خوش ہوا۔ نکولائی کے منہ سے تو مسرت کی چیخ نکل گئی۔ بیٹے کی طویل عدم موجودگی سے وہ پریشان ہوگیا تھا۔ پافل بھی دونوں دوستوں کی واپسی پر گرمجوش سا ہوگیا تھا۔ رات کا کھانا آدھی رات تک جاری رہا۔ ہر کوئی ان کی آمد پر مسرور تھا۔ ملازم تیزی کا اظہار کر رہے تھے۔ دنیاشا اچھلتی ہوئی کمرے میں آتی اور کودتی ہوئی کمرے سے باہر جاتی۔

مارنیو میں حالات خوشگوار نہیں تھے۔ نکولائی مشکلات کا سامنا کر رہا تھا۔ کمپنی کے کام میں دقتیں پیش آرہی تھیں۔ کسان تنخواہوں میں اضافے کا مطالبہ کر رہے تھے۔ گھوڑے بیمار ہوگئے تھے۔ ان کی لگامیں ٹوٹ گئی تھیں۔ ماسکو سے جو غلہ گاہنے کی مشین منگوائی گئی تھی بیکار ثابت ہوئی تھی۔ ایک بوڑھی اور اندھی عورت کی غلطی کی وجہ سے مویشی خانے کا چھت جل گیا تھا۔ اور سیر

سمیت الوجود ہوگیا تھا ۔ اس نے کام میں دلچسپی لینی چھوڑ دی تھی ۔ جن کسانوں کی طرف لگان باقی تھا ۔ وہ رقم لا نہیں رہے تھے ۔ کسانوں نے آپس میں لڑنا شروع کر دیا تھا ۔ کسانوں میں تقسیم جائداد کا جھگڑا ہو رہا تھا ۔ ان کا جھگڑا چکانے کے لئے بے پناہ دردسری اور دماغ سوزی کرنی پڑتی تھی ۔

بزروف ان جھگڑوں سے دور ہی رہتا تھا ۔ وہ لوگوں کے معاملے میں دخل انداز نہیں ہونا چاہتا تھا ۔ وہ اپنے کیمیادی تجربات میں مشغول تھا ۔ آرکیڈی البتہ اپنے والد کا ہاتھ بٹا رہا تھا ۔ وہ صرف مشورہ دیا کرتا تھا ۔ لیکن باعمل حصہ بہت کم لیا کرتا تھا ۔ اس کا ذہن ان دلوں اور ہی خیالات میں محو تھا ۔ ہر وقت اسے نکولسکو کی یاد ستاتی رہتی تھی وہ وہاں سے جانا چاہتا تھا ۔ وہ اپنے آپ کو طویل سیر سے تھکا دینے کی کوشش کرتا ۔ لیکن اس کی طبیعت شگفتہ نہ ہوتی ۔ ایک دن والد کے ساتھ باتوں باتوں میں خاتون آدنتسوفا کا ذکر آگیا ۔ نکولائی نے بتایا کہ اس کے پاس آدنتسوفا کے لکھے ہوئے بیشمار دلچسپ خطوط تھے ۔ خطوط حاصل کرنے کے بعد آرکیڈی کو ایسا محسوس ہوا جیسے اس کی تمنا بر آگئی تھی ۔ " میں جاؤں گا ۔ اور ضرور جاؤں گا " آرکیڈی نے اپنے آپ سے کہا ۔ یکایک اسے آدنتسوفا کا سرد خیر مقدم یاد آیا ۔ مگر اس کا اندھا شباب جوش میں آچکا تھا ۔ اس کا عزم متزلزل نہ ہوا ۔ مارنیو میں واپس آئے ہوئے اسے بمشکل دس دن ہوئے ہوں گے کہ وہ پھر نکولسکو کو روانہ ہوگیا ۔ اتفاق سے اسے جو کوچوان ملا وہ کبھی نوجوان تھا ۔ راستے میں جو بھی شراب خانہ آتا آرکیڈی اسے وہاں سے شراب دلوا دیتا ۔ کوچوان پی کر گھوڑوں پر پل پڑتا ۔ وہ ہوا کی طرح نکولسکو پہنچے ۔ باغ میں اسے کیٹیا ملی ۔ اس نے اسے نیک شگون سمجھا ۔

" اوہ تم ہو ۔ میری بہن تم سے مل کر بہت خوش ہوگی "

آدنتسوفا جب اسے ملی تو آرکیڈی گھبرا گیا۔ لیکن اس کے پہلے ہی جملے نے اسے خوش کر دیا۔ "خوش آمدید" کے لفظ نے آرکیڈی کی گھبراہٹ دور کر دی۔ آدنتسوفا مسکرا رہی تھی۔ "کیٹیا تم اسے کہاں سے اٹھا لائی ہو؟"

"انا سرگیفنا میں تمہارے لئے ایسی چیز لایا ہوں جس کا شاید تمہیں وہم بھی نہ ہو۔"

"تم آگئے ہو۔ تم سے بہتر اور کیا چیز ہو سکتی ہے۔"

ادھر بیزروف نے اپنے دوست کو طنزیہ ہمدردی کے ساتھ رخصت کیا تھا۔ اور خود اپنے کام میں پورے انہماک کے ساتھ مصروف ہو گیا تھا۔ پافل نے اب اس سے کج بحثی بند کر دی تھی۔ وہ بعض اوقات اجازت طلب کرنے کے بعد بیزروف کو تجربات میں مشغول دیکھتا رہتا۔ نکولائی بیزروف کے کمرے میں بہت کم آتا۔ البتہ کھانے کے وقت وہ گفتگو کا موضوع علم الطبیعات، علم کیمیا اور علم نباتات کو ضرور بناتا۔ نکولائی دیکھ رہا تھا کہ اس کا بھائی پافل بیزروف کو ابھی تک ناپسند کرتا تھا۔

اس علاقے میں ہیضہ پھیلنا شروع ہو گیا تھا۔ مارینو میں دو شخص پہلے ہی ہیضے کا شکار ہو چکے تھے۔ ایک رات کو پافل پر بھی ہیضے کا دورہ پڑا۔ وہ صبح تک تکلیف و اذیت کی وجہ سے چلاتا رہا۔ مگر اس نے بیزروف کو علاج کے لئے اپنے پاس بلانا مناسب نہ خیال کیا۔ وہ اس کا احسان مند نہیں ہونا چاہتا تھا۔ احسان مند ہونے کے علاوہ وہ اس کے معالجے پر اعتبار بھی نہیں رکھتا تھا۔ دوسرے دن جب پافل ہیضے کے شدید حملے سے بچ رہا اور بیزروف سے ملا تو بیزروف نے اس سے پوچھا کہ اس نے اسے اطلاع کیوں نہیں دی تھی۔ تو اس نے جواب دیا۔ "تمہیں نے تو کہا تھا کہ تمہارا ادویات میں اعتقاد نہیں۔" بیزروف خاموش ہو گیا۔

دن یونہی گذرتے گئے۔ بیزروف اپنے کام میں شدت کے ساتھ مصروف رہا۔ نکولائی کے گھر میں اگر وہ کسی سے بول کر خوش ہوتا تھا تو وہ فینچکا تھی۔ فینچکا سے اس کی ملاقات ہر روز صبح کے وقت ہوتی تھی۔ جب وہ سیر کو نکلتا تھا۔ وہ اس کے کمرے میں نہیں جایا کرتا تھا۔ فینچکا اس سے خوف نہیں کھاتی تھی۔ اس سے اپنے دل کا راز تک کہدیا کرتی تھی۔ اتنی بے تکلف تو وہ نکولائی سے بھی نہیں ہوا کرتی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ بیزروف میں برتری کا احساس قطعاً نہیں پاتی تھی۔ اس کی نگاہوں میں بیزروف نہایت قابل ڈاکٹر اور نہایت اچھا انسان تھا۔ وہ اس کے بیٹے کا کسقدر خیال رکھتا تھا۔ پافل سے وہ خوفزدہ تھی جوان دنوں اس کے گرد منڈلاتا رہتا تھا اور اس کی نگرانی رکھا کرتا تھا۔

فینچکا اگر بیزروف کو پسند کرتی تھی تو بیزروف کو وہ بھی پسند تھی۔ جب وہ اس سے بات کیا کرتا تھا اس کے چہرے کا اتار چڑھاؤ قابلِ غور ہوا کرتا تھا۔ فینچکا روز بروز حسین ہوتی جا رہی تھی۔ اس کے رخسار ہر وقت شعلہ گوں رہتے تھے۔ نکولائی نے اس کے نہانے کے لئے باغ میں نہایت نفیس غسل خانہ بنا دیا تھا۔ ایک روز صبح کے سات بجے بیزروف اپنی طویل سیر سے واپس آ رہا تھا کہ اس نے فینچکا کو بیلوں کے سائے کے نیچے بیٹھے ہوئے پایا۔ اس کے پاس شبنم سے بھیگے ہوئے گلاب کے پھول پڑے تھے۔ وہ گلدستہ تیار کر رہی تھی۔

"سائے میں بیٹھی ہوئی کیا کر رہی ہو فینچکا؟" بیزروف نے سوال کیا۔

"میز کے لئے گلدستہ تیار کر رہی ہوں۔ میں دراصل دھوپ میں بیمار ہو جاتی ہوں۔"

"ادھر لاؤ میں تمہاری نبض دیکھوں۔" فینچکا نے اپنا ہاتھ بڑھا دیا۔ بیزروف

نے اس کی کلائی پر انگلیاں رکھ دیں اور بولا۔ "تم سو برس جیو گی"۔

"نہیں میں سو برس جی کر کیا کروں گی۔ بڑھاپا ایک بہت بڑی مصیبت ہے جوانی کی موت اچھی"۔

"جوانی اچھی ہوتی ہے"۔

"بہت اچھی۔ میری طرف دیکھو میں ہر کام کر سکتی ہوں"۔

"مگر میری طرف بھی تو دیکھو۔ میں جوان ہوں اور تنہا رہتا ہوں میری جوانی کس کام کی کسی کو مجھ پر رحم نہیں آتا"۔

"یہ تو تمہارے بس کی بات ہے۔ جب چاہو شادی کر سکتے ہو"۔

"اچھا چھوڑو۔ مجھے تمہاری گفتگو بہت پسند ہے۔ جب تم بولتی ہو تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی ندی پاس سے گاتی ہوئی گزر رہی ہے"۔

"تمہاری باتیں تو بہت میٹھی ہیں۔ میری باتیں تمہیں کہاں پسند آنے لگیں تم نے خوبصورت خواتین سے باتیں کی ہونگی"۔

"اگر میرا اعتبار کرو تو میں تمہیں بتاؤں دنیا کی خوبصورت خواتین تمہارے پاؤں کی میل بھی نہیں ہیں"۔

"باتیں بنانے میں بڑے ماہر ہو۔ ہاں ایک بات یاد آگئی۔ تم نے جو گولیاں میٹھیا کو دی تھیں ان سے وہ مزے کی نیند سوتا ہے۔ میں تمہاری بہت ممنون ہوں"۔

"تمہیں خبر ہے ڈاکٹر فیس بھی لیا کرتے ہیں"۔

"یہ بات ہے تو میں جو کچھ تم کہو دینے کو تیار ہوں"۔

"خود ہی اندازہ لگا لو کہ مجھے کیا چاہیئے"۔

"میں کیا اندازہ لگاؤں"۔

"مجھے ایک پھول چاہیئے"۔

فنچکا اس مطالبے پر بہت خوش ہوئی۔ اس نے سُرخ پھول توڑا اور اپنا ہاتھ بیزروف کی طرف بڑھا دیا۔ لیکن دفعتاً اسے کھینچ لیا۔

"کیوں کیا بات ہے۔ کیا نکولائی دیکھ رہا ہے؟"

"نہیں۔ مجھے پافل سے ڈر لگتا ہے۔ ان دنوں وہ مجھے نگاہ میں رکھتا ہے، اچھا پروا نہیں۔ یہ لو پھول"

"تمہارے دیئے ہوئے پھول کی خوشبو کتنی اچھی ہے۔ سونگھ کر دیکھو"

بیزروف نے پھول اپنے کوٹ میں لگا لیا تھا۔ فنچکا اٹھ کر کھڑی ہو گئی اور پھول سونگھنے لگی۔

"ٹھہرو۔ اس پھول کو میں تمہارے ساتھ سونگھنا چاہتا ہوں"

فنچکا کے سر پر سے رومال کھسک گیا تھا۔ اس کے بالوں کی لٹیں بیزروف کے چہرے پر لہرانے لگی تھیں۔ بیزروف جھکا اور اس نے فنچکا کے ادھ کھلے ہونٹوں پر بوسہ دیا۔ فنچکا نے اس کی چھاتی پر ہاتھ رکھ کر اسے دھکیلا مگر آہستگی کے ساتھ۔ بیزروف کو اپنے بوسہ کو طویل کرنے کا اور بھی موقعہ مل گیا۔

اتنے میں پیچھے سے کوئی کھانسا۔ یہ پافل تھا۔ فنچکا الگ ہو کر اپنی جگہ پر جا بیٹھی۔ اس نے پھول جمع کئے اور گھر کی طرف چل دی۔ اٹھتے ہوئے اس نے بیزروف کی طرف نگاہ ڈالی جیسے کہہ رہی ہو۔" تم نے کتنی شدید غلطی کی ہے پافل کی نہ وسیلیف!"

بیزروف اپنے کمرے کی طرف بڑھا۔ باغ میں پافل کے پاس اس کا بھائی آ گیا۔ وہ اپنے بھائی کا زرد چہرہ دیکھ کر بہت حیران ہوا۔ اس نے پوچھا۔" اچھے ہو پافل؟"

"نہیں۔ آج میرے کلیجے میں پھر درد ہو رہا ہے" پافل نے گھبراہٹ

کے عالم میں جواب دیا۔

(۱۸)

دو گھنٹوں کے بعد پافل نے بیزروف کے دروازے پر دستک دی۔

"مداخلت کے لئے معذرت خواہ ہوں۔ کیا مجھے اپنے قیمتی وقت میں سے صرف پانچ منٹ دے سکو گے۔"

"پانچ منٹ تو کیا میرا تمام وقت تمہارے لئے حاضر ہے۔"

"نہیں مجھے صرف پانچ منٹ چاہئیں۔ میں یہ پوچھنے کی غرض سے آیا ہوں کہ تمہارا مبارزت کے متعلق کیا خیال ہے؟"

پافل متوجہ ہو کر بولا "نظریاتی نقطۂ نگاہ سے مبارزت ایک فضول سی چیز ہے۔ البتہ عملی نقطۂ نگاہ سے اس کی اپنی قدر ہے۔"

"میں تمہارا مطلب سمجھ گیا ہوں۔ تم نے میرے ذہن پر سے بوجھ اٹھا دیا ہے۔ میں تم سے مبارزت لڑنا چاہتا ہوں۔"

"مجھ سے؟ براہِ کرم اس کی وجہ تو بتلائیے۔"

"میں اس بارے میں خاموش رہنا چاہتا ہوں۔ دراصل تمہاری موجودگی مجھے پسند نہیں۔ میں تمہیں برداشت نہیں کر سکتا۔ میں تم سے نفرت کرتا ہوں۔ کیا یہ باتیں کافی نہیں۔"

"بس رہنے دو۔ زیادہ وضاحت کی ضرورت نہیں۔ تم اپنی شجاعت کو آزمانا چاہتے ہو۔ مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔"

"کل صبح چھ بجے مقابلے کا آغاز ہو جانا چاہئے۔ پستولیں استعمال کی جائینگی گولی دس قدم کے فاصلے سے چلائی جائے گی۔ اور دو دفعہ چلائی جائے گی۔"

"مجھے منظور ہے۔" بیزروف کی آنکھیں شعلہ افشاں ہو گئی تھیں۔

ہیز روف نے اسے بتایا کہ وہ کل پی آئر کو بطور گواہ اپنے ہمراہ لیتا آئیگا۔
"تمہارے پاس پستول ہے؟"
"معاف کرنا میں فوج میں نہیں رہا۔"
"کوئی بات نہیں میرے پاس دو پستولیں ہیں۔ ان میں سے ایک تم لے لینا۔"

پافل کمرے سے باہر چلا گیا۔ ہیز روف دروازے میں چند لمحوں کے لئے کھڑا رہا۔ اس کا دل دھڑک رہا تھا۔" اس نے آج مجھے فنچکا کو چومتے ہوئے دیکھ لیا ہے۔ مگر وہ اپنے بھائی کی خاطر یہاں تک پہنچنے کے لئے تیار ہو گیا۔ محض ایک بوسے کی خاطر۔ نہیں۔ نہیں۔ اس کی تہ میں کوئی گہرا راز ہے۔ وہ ضرور فنچکا کی محبت میں گرفتار ہے۔"

سارا دن سکوت اور سکون میں گذر گیا۔ فنچکا کہیں نظر نہیں آرہی تھی وہ اپنے کمرے میں بند تھی۔ نکولائی پریشان تھا۔ پافل اپنی سرد شائستگی کا اظہار کر رہا تھا۔ ہیز روف نے باپ کے نام خط لکھا اور پھر پھاڑ کر پھینک دیا۔

" اگر میں مر گیا" وہ سوچ رہا تھا۔" تو میرے والدین کو پتہ چل ہی جائیگا۔ لیکن نہیں میں نہیں مرونگا۔ ابھی مجھے اس دنیا میں ایک عرصے تک اڑتے رہنا ہے" ہیز روف نے پی آئر کو حکم دیا کہ وہ صبح سویرے اس کے پاس آ جائے وہ اسے پیٹرز برگ لے جانا چاہتا ہے۔ ہیز روف کو اس رات دیر تک نیند نہ آئی۔ وہ خواب دیکھتا رہا۔ آدنتسوفا اس کے خواب میں بار بار آئی۔ پی آئر نے اسے چار بجے آکر جگا دیا۔

صبح نہایت خوشگوار تھی۔ گھاس پر شبنم کے موتی بکھرے ہوئے تھے۔ ہیز روف

نے جھاڑیوں کے قریب پہنچکر پی آر کو بتایا کہ وہ اسے وہاں کیوں لایا تھا۔پی آر خوف کے مارے کانپنے لگا۔اس کا رنگ سپید پڑ گیا۔بیزروف نے اسکی طرف دیکھا بیزروف خوفزدہ نہیں تھا۔اور مسکرا رہا تھا۔

"پافل آرہا ہے"۔پی آر نے اطلاع دی۔

بیزروف نے سر اٹھایا اور پافل کو آتے ہوئے دیکھا۔وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا آرہا تھا۔اس کے ہاتھ میں سبز رنگ کا بکس تھا۔

"معاف کرنا تمہیں انتظار کرنا پڑا"۔ اس نے آتے ہی کہا۔"یہاں کوئی بھی نہیں ہے۔ہمارے کام میں کوئی مداخلت نہیں کر سکے گا۔چلو ابتدا کریں۔تمہیں کسی مزید وضاحت کی ضرورت تو نہیں؟"

"بالکل نہیں"

پافل نے پستول میں گولیاں بھرنی شروع کر دیں۔بیزروف دس قدموں کا فاصلہ ماپنے لگا۔بیزروف نے دونوں طرف بوٹ سے لکیریں کھینچ دیں۔

"یہ رہی پستولیں۔کوئی سی منتخب کر لو"

"میں یہ لے لیتا ہوں"۔بیزروف نے ایک پستول اٹھالی۔"پافل پیتروویچ ہمارا یہ مقابلہ سراسر حماقت ہے۔ہمارے گواہ کا چہرہ اس وقت قابلِ دید ہے"

تمہیں اس موقع پر بھی مذاق سوجھ رہا ہے۔میں تمہیں اتنا بتا دینا چاہتا ہوں کہ میں سنجیدگی کے ساتھ لڑنا چاہتا ہوں"

"میں بھی سنجیدہ ہوں"۔بیزروف نے اپنی حد تک دس قدم اٹھائے۔

"تیار ہو"۔اس نے آواز دی۔

"بالکل تیار ہوں"۔پافل کی آواز آئی۔

ہیز روف آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھا۔ پافل اپنی جیب میں ایک ہاتھ ڈالکر اس کی طرف آرہا تھا۔ ہیز روف سوچ رہا تھا۔ "اس نے تو میری ناک کا نشانہ باندھا ہوا ہے۔ میں اس کی گھڑی کی زنجیر کا نشانہ لگاتا ہوں"۔ دفعتاً کوئی چیز سرسراتی ہوئی اس کے پاس سے گذر گئی۔ گولی چلنے کی آواز سنائی دی۔ ہیز روف ایک قدم پیچھے ہٹا اور نشانہ لگائے بغیر اس نے گولی چلادی۔

پافل کے منہ سے ایک دلدوز کراہ نکلی۔ وہ اپنی ران پکڑ کر بیٹھ گیا۔ اس کی سفید پتلون خون سے لبریز ہوگئی۔ ہیز روف نے پستول ایک طرف پھینک دی۔ اور اپنے مدِمقابل کے پاس آگیا۔

"فیصلے کے مطابق ابھی ایک ایک گولی اور چلنی چاہیئے"۔ پافل بولا۔

"پھر کبھی دیکھا جائے گا۔ تم زخمی ہوچکے ہو۔ اس وقت میں مدِمقابل کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک ڈاکٹر کی حیثیت سے بول رہا ہوں۔ پی آئر۔ پی آئر۔ کہاں ہو۔ ادھر آؤ"۔

پافل نے اٹھنا چاہا مگر بے ہوش ہوگیا۔

ہیز روف نے پافل کو گھاس پر لٹا دیا۔ اس نے رومال نکالا اور لہو پونچھ دیا۔ اس نے زخم کو محسوس کیا۔ گولی دور تک نہیں گئی تھی۔ زخم گہرا نہیں آیا تھا۔ ہڈی محفوظ تھی۔ "تین ہفتوں کے اندر اندر ناچنے لگے گا"۔ ہیز روف اپنے آپ سے کہہ رہا تھا۔ "یہ اعصاب زدہ لوگ۔ میں ان سے نفرت کرتا ہوں"۔

"کیا ہلاک ہوگیا؟" پی آئر نے سوال کیا۔

"نہیں۔ جاؤ اور کہیں سے پانی لے کر آؤ"۔

پی آئر اس کی بات سمجھ نہ سکا اور وہیں کھڑا رہا۔ "وہ مر جائے گا"۔

پی آر پھر بولا۔

"پانی لے کر آؤ......"

اتنے میں زخمی کو ہوش آگیا۔ "پانی کی ضرورت نہیں۔ میرے زخم کو باندھ دو اور گاڑی منگا لو۔ تم نے میرے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا ہے میں آج سمجھا ہوں کہ تم ایک باعزت شخص ہو۔ ہاں اتنا خیال رکھنا میرے بھائی کو خوفزدہ نہ کر دینا۔"

پی آر دوڑتا ہوا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد بیز روف نے دیکھا کہ گاڑی میں نکولائی بیٹھا ہوا تھا اور اس کا رنگ زرد تھا۔ وہ گاڑی میں سے کود پڑا اور اپنے بھائی کی طرف بڑھا۔

"یہ کیا بات ہے۔ پافل وسیلیف اس کا کیا مطلب ہے؟"

"کچھ بھی نہیں۔" پافل نے کہا۔ "تم خواہ مخواہ خوفزدہ ہو رہے ہو۔ میرا مسٹر بیز روف سے جھگڑا ہو گیا تھا۔ جس کی مجھے سزا مل گئی ہے۔"

یہ جھگڑا کس بات پر ہوا۔ مجھے بھی تو پتہ لگنا چاہیئے۔"

"قصور میرا ہے۔ مسٹر بیز روف نے اپنی شریف النفسی کا ثبوت دیا ہے۔ میں نے برا بھلا کہا تھا۔ اور مجھے سزا بھی مل گئی۔"

پافل کو گاڑی میں سوار کر دیا گیا۔ بیز روف وہیں کھڑا رہا۔ نکولائی اس کے پاس آیا اور بولا۔ "میرے بھائی کا خیال رکھنا۔ جب تک قصبے سے دوسرا ڈاکٹر نہیں آجاتا۔"

بیز روف نے اثبات میں اپنا سر ہلایا۔

ایک گھنٹے کے بعد پافل بستر میں دراز ہو چکا تھا۔ اس کی ٹانگ پر احتیاط کے ساتھ پٹی باندھ دی گئی تھی اور گولی نکال لی گئی تھی۔ پافل مذاق کر رہا

تھا خاص طور پر بیز روف کے ساتھ ۔ وہ کھانے کے لئے بھی چلا رہا تھا ۔ رات کو اسے بخار ہو گیا ۔ قصبے سے دوسرا ڈاکٹر بھی آگیا ۔ نکولائی اپنے بھائی کی کوئی بات نہیں سن رہا تھا ۔ بیز روف اپنے کمرے میں بند تھا ۔ اس کا رنگ زرد پڑ گیا تھا ۔ وہ کبھی کبھی زخمی کے کمرے میں آتا تھا اور واپس چلا آتا تھا ۔ فینچکا بھی اسے دو مرتبہ ملی لیکن وہ خوفزدہ ہو کر پیچھے ہٹ گئی ۔ بیز روف کو یقین تھا کہ پافل خطرے سے باہر تھا ۔ ڈاکٹر کو بتایا گیا کہ پافل کو حادثے میں چوٹ آگئی تھی ڈاکٹر نے تعجب کا اظہار کیا ۔ لیکن پچیس نقرئی روبلوں نے اس کی زبان بند کر دی ۔

اس رات کوئی بھی نہ سویا ۔ بیمار نے کئی مرتبہ پانی طلب کیا ۔ نکولائی نے لیموں کا رس دے کر فینچکا کو اس کے پاس بھیجا ۔ صبح کو بیمار پر بحران طاری ہو گیا ۔ نکولائی سرد آہیں بھرنے لگا ۔

دوسرے دن جب بیمار کی طبیعت ذرا سنبھلی تو بیز روف نے روانگی کی تیاری شروع کر دی ۔ اس نے مینڈکوں کو آزاد کر دیا ۔ اپنا سامان باندھ کر وہ نکولائی سے الوداع کہنے کے لئے آیا ۔

" میں سمجھتا ہوں ۔ میرے بھائی نے مجھے بتا دیا ہے کہ قصور اسی کا تھا ۔ واقعی تم مجبور ہو چکے تھے ۔ میرا بھائی پرانا آدمی ہے ۔ ضدی اور تند مزاج ۔ خدا کا شکر ہے کہ وہ زخمی ہی ہوا ۔ "

" میں اپنا پتہ چھوڑے جا رہا ہوں ۔ اگر کوئی پولیس کی طرف سے تحقیق ہوئی تو میں چلا آؤں گا ۔

" میرا خیال نہیں کہ کوئی جھگڑا کھڑا ہو "

" اچھا تو میری طرف سے آرکیڈی کو خدا حافظ کہہ دینا "

جس وقت پافل نے سنا کہ بیزروف جارہا تھا تو اس نے اس سے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ اس نے بیزروف سے ہاتھ ملایا۔ وہ فنیچکا سے خدا حافظ نہ کہہ سکا۔ فنیچکا کھڑکی میں کھڑی تھی۔ نگاہوں کے اتصال سے ہی اس کا پیغام اسے پہنچادیا۔ بیزروف سوچ رہا تھا۔ "شاید بچاری پہ کوئی آفت ٹوٹے لیکن کون جانتا ہے۔" پی آئر اس کے کندھے پہ سر رکھ کر رو پڑا۔ گاڑی چلی اور بیزروف نکولائی کے کھیت سے دور نکل گیا۔

پافل کو بہت جلد آرام آگیا۔ مگر وہ ایک ہفتے تک بستر میں پڑا رہا۔ نکولائی اسے اخبار و رسائل پڑھ کر سناتا۔ فنیچکا اس کی تیمارداری میں مشغول رہتی۔ وہ پافل سے اور بھی خوفزدہ ہوگئی تھی۔ فنیچکا کا ضمیر اسے ملامت کر رہا تھا۔ پافل اس کی طرف معنی خیز نگاہوں سے دیکھتا تھا۔ سات دنوں میں وہ دبلی ہوگئی تھی۔

ایک دن صبح کو پافل کی طبیعت اچھی ہوئی تو وہ بستر سے اٹھ کر صوفے میں بیٹھ گیا۔ نکولائی کھیت پر گیا ہوا تھا۔ فنیچکا اس کی چائے لے کر آئی۔ وہ واپس جانے ہی والی تھی کہ پافل نے اسے روک لیا۔ فنیچکا آرام کرسی کے کونے پر بیٹھ گئی۔ "تمہارا ضمیر تو پرسکون ہے فنیچکا؟" پافل نے سوال کیا۔

"میرا ضمیر پرسکون ہے۔"

"تم جھوٹ بولتی ہو۔ تمہیں بیزروف کے جانے پر افسوس تو نہیں ہوا؟"

"وہ میرا رشتہ دار نہیں تھا۔"

"تمہیں میرے بھائی سے محبت ہے؟"

پافل پیٹروونچ تمہارے بھائی سے زیادہ دنیا میں مجھے کوئی چیز عزیز نہیں۔"

"فنچکا میرے بھائی سے محبت کرو۔ اسے دھوکا نہ دینا۔ کبھی دھوکا نہ دینا۔"

فنچکا دل ہی دل میں ڈر رہی تھی لیکن اب اس کا خوف دور ہو گیا تھا۔ پافل نے فنچکا کا ہاتھ اپنے لبوں پر رکھ لیا۔ اتنے میں سیڑھیاں چرچرائیں۔ پافل نے فنچکا کو فوراً علیحٰدہ کر دیا۔ نکولائی داخل ہوا۔ اس کی گود میں فنچکا کا بچہ تھا۔ فنچکا دوڑ کر اپنے بیٹے اور نکولائی سے لپٹ گئی۔ نکولائی اس کی اس حرکت پر حیرت زدہ ہوا۔ فنچکا بچے کو اس کی گود سے چھین کر چلی گئی۔

"فنچکا کو کیا ہو گیا ہے؟" نکولائی نے تعجب کا اظہار کیا۔

بھائی ......" پافل بولا۔ نکولائی سن نہیں رہا تھا۔" پافل نے بات دہرائی۔" بھائی۔ میری تم سے ایک التجا ہے۔"

"کہو میں ہر خدمت کے لئے حاضر ہوں۔"

"میری یہی التجا ہے بھائی کہ تم اپنا فرض بجا لاؤ۔ شریف اور نیک مرد کی مثال بن کر دکھاؤ۔"

"تمہارا مطلب کیا ہے؟"

"فنچکا سے شادی کر لو۔ اسے تم سے محبت ہے۔ وہ تمہارے بچے کی ماں ہے۔"

نکولائی ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔"پافل میں تمہاری عزت کا خیال کرتے ہوئے ہی اس سے شادی نہیں کر رہا تھا۔ اب اگر تم کہتے ہو تو میں اپنا فرض بجا لاؤں گا۔"

"میرا خیال نہ کرو۔ بزروف ٹھیک کہتا تھا کہ میں نمائش پسند ہوں۔

مجھے لوگوں کی رائے کا ڈر رہتا ہے۔ لیکن اب مجھے یہ پروا نہیں کہ لوگ مجھے کیا کہیں گے۔"

نکولائی دوڑ کر اپنے بھائی سے لپٹ گیا۔" پافل۔ آرکیڈی کیا کہیگا؟"

"آرکیڈی تمہارے اس اقدام کو سراہے گا۔"

"اچھا تو میں ارادہ کر چکا۔ تمہارا بہت بہت شکریہ۔"

پافل سوچنے لگا۔" نکولائی کے شادی کرتے ہی میں بدیس چلا جاؤنگا۔"

پافل نے اپنے ماتھے پر آیا ہوا پسینہ پونچھا۔ اس نے اس پر عطر لگایا اس کے بعد اس نے اپنا حسین سر تکیے پر رکھ دیا۔ وہ سر زندہ انسان کا نہیں بلکہ مردے کا معلوم ہوتا تھا۔ اور اب وہ واقعی مر چکا تھا۔

(۱۹)

آرکیڈی ابھی تک نکوسکو میں تھا۔ وہ کیٹیا کے ساتھ باغ میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ادھ کھلی کتاب پکڑی ہوئی تھی اور دونوں خاموش تھے۔ ان کی خاموشی محبت کی خاموشی تھی۔ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد دونوں میں باتیں ہونے لگیں۔ کیٹیا کہنے لگی کہ اس کی بہن کے خیالات بیزروف سے بہت ملتے تھے۔

"تمہارا خیال ہے کہ تمہاری بہن بیزروف سے بہت متاثر ہوئی تھی؟"

"ہاں۔ لیکن میری بہن پر فتح پانا آسان نہیں۔"

"یہ تمہارا وہم ہے۔"

"نہیں میری بہن بہت مغرور ہے۔ وہ اپنی آزادی کو بہت عزیز رکھتی ہے۔"

"آزادی کسے عزیز نہیں ہوتی۔"

آرکیڈی مسکرایا اور اس کے قریب آکر بولا۔" اعتراف کرو کہ تم اپنی بہن سے ڈرتی ہو۔"

"کس سے۔ کیا تم نہیں ڈرتے اس سے؟"

"ہاں میں بھی اس سے خوفزدہ ہوں۔"

"حیرت ہے۔ حالانکہ میری بہن اس دفعہ تم پر بہت مہربان ہے۔"

"میں اکثر سوچتا ہوں کہ اس کا سبب کیا ہے۔ شاید اس لئے کہ میں اس کے خطوط لے کر آیا ہوں۔"

"نہیں بہت سے اور سبب بھی ہیں۔"

"کون سے۔"

"میں یہ تمہیں نہیں بتاؤں گی ......" کیٹیا نے آرکیڈی کو کنکھیوں سے دیکھا۔

"تم بہت ہوشیار اور برق انداز ہو۔"

"اس لئے کہ میں تنہا رہی ہوں اور دولتمند نہیں ہوں۔"

"دولت مند نہیں ہو۔ اچھا یہ تو بتاؤ کہ تم کسی دولت مند سے شادی کرو گی کہ نہیں؟"

"اگر مجھے اس سے محبت ہو گی تو کروں گی۔ نہیں نہیں میں کسی دولت مند سے شادی نہیں کر سکتی۔"

"دراصل تم محکوم نہیں بننا چاہتیں۔"

"میں کیوں کسی کی غلامی اختیار کروں۔"

آرکیڈی نے چند لمحوں کے سکوت کے بعد کہا۔" ایک بات کہوں کیٹیا میں تمہیں دنیا کی تمام عورتوں سے ارفع و بلند سمجھتا ہوں۔" اتنا کہہ کر

وہ اٹھا اور ایک طرف کو چل دیا۔ کیٹیا دیر تک اپنی نگاہیں اس کی پیٹھ پر جمائے رہی۔ دفعتاً اس کے رخسار سرخ ہو گئے۔

"کیٹیا کیا تنہا ہو؟" اس کی بہن کی آواز آئی۔

"ہاں۔"

"شاید وہ اپنے کمرے میں چلا گیا ہے۔ کیا اکٹھے پڑھتے رہے ہو؟"

"ہاں۔"

آدنلسوفا نے اس کا چہرہ ٹھوڑی سے پکڑ کر اوپر اٹھایا۔

"تم آپس میں جھگڑتے تو نہیں رہے؟"

"نہیں۔ میرا خیال تھا کہ وہ بھی نہیں ہوگا۔ قصبے سے تمہاری جوتی آئی ہے۔ چلو اور پہن کر دیکھ لو۔ تمہارے ہاتھ کتنے حسین ہیں اور پاؤں بھی۔"

کیٹیا اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ وہ گھر کی طرف چل دی۔ راستے میں سوچنے لگی۔ "تم کہتی ہو میرے پاؤں حسین ہیں۔ میرے پاؤں حسین ہیں تو وہ جلدی میرے قدموں پر ہوگا۔ تم دیکھ لینا۔"

یکایک اس پر شرم طاری ہو گئی اور وہ دوڑنے لگی۔

آرکیڈی نے جب گھر میں قدم رکھا تو منتظم خانہ نے اعلان کیا کہ مسٹر بزروف اس کے کمرے میں تھے۔ آرکیڈی متحیر رہ گیا۔ وہ سوچنے لگا۔ "اے خدا گھر پر خیریت ہو۔"

وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا کمرے میں آیا اور بولا۔ "تمہاری آمد نہایت غیر متوقع ہے۔ گھر پر تو خیریت ہے؟"

"ہاں۔ ہے بھی اور نہیں بھی۔ بیٹھ جاؤ۔ اور میری داستان سنو۔"

بزروف نے اسے تمام واقعہ سنایا اور آرکیڈی خاموشی سے سنتا رہا۔

"پرانے لوگوں سے مل کر یہی ہوتا ہے۔ تم بھی دقیانوسی ثابت ہو رہے ہو۔ یہاں آکر عیش کر رہے ہو۔ میں تمہیں یہ قصہ سنانے کے لئے ہی اتنی دور سے چل کر یہاں پہنچا ہوں۔ میں دراصل ایک بار وہ چیز دیکھنے آیا ہوں جسے ہمیشہ کے لئے چھوڑ رہا ہوں۔"

"کہیں تم مجھے تو ہمیشہ کے لئے نہیں چھوڑ رہے؟" آرکیڈی نے گھبرا کر پوچھا۔

"کیا تمہیں اس بات سے واقعی تکلیف ہوگی؟ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم نے مجھے پہلے ہی چھوڑ دیا ہے۔ ہاں تم اپنی کہو۔ تمہاری پیاری آدنتسوفا سے کیسے گذر رہی ہے؟"

"آدنتسوفا سے۔ کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"مطلب صاف ہے۔ تم گھر سے اسی کی خاطر تو یہاں آئے ہو۔"

"میں نے تم سے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ میرے دوست تم غلطی پر ہو۔"

"افسانہ گھڑ رہے ہو۔ میرے دوست مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے راستے جدا جدا ہو رہے ہیں۔ ہم ایک دوسرے سے تنگ آچکے ہیں۔"

"پاگلپن۔ پاگلپن!"

"اس میں حرج کی کون سی بات ہے پیارے۔ انسان تو اپنی زندگی سے بھی تنگ آجاتا ہے۔ میرے خیال میں اب ہمیں ایک دوسرے سے خدا حافظ کہہ دینا چاہیئے۔"

"تم حد سے تجاوز کرتے جا رہے ہو۔"

"کیوں؟"

"کیونکہ آدنتسوفا تم سے ملکر بہت خوش ہوگی۔"

"تم غلطی پر ہو۔"

"نہیں۔ کیوں بہانہ کرتے ہو۔ میں جانتا ہوں کہ تم یہاں یونہی نہیں آئے تمہیں بلایا گیا ہے۔"

آرکیڈی سچ کہتا تھا۔ آدنتسوفا نے اُسے خط لکھ کر بلایا تھا۔ اسی لئے تو بیزروف نیا سوٹ پہن کر آیا تھا۔ آدنتسوفا بیزروف کو نشست گاہ میں ملی۔

"انا سرگیفنا۔" بیزروف نے تیزی کے ساتھ کہا۔ "میں سب سے پہلے تمہارے ذہن کو پرسکون کرنا چاہتا ہوں۔ تمہارے سامنے ایک مفلوک الحال فانی شخص بیٹھا ہے جسے ہوش آچکا ہے۔ اور جو امید کرتا ہے کہ دوسرے لوگ بھی اس کی حماقتوں کو معاف کر چکے ہوں گے۔ میں ایک عرصہ کے لئے جا رہا ہوں۔ میں بہت خوش ہونگا اگر تم مجھے اپنے ساتھ یہ یاد لے جانے دو گی کہ تم میری قدر کرتی ہو۔"

آدنتسوفا کے چہرے پر تبسم کی روشنی پھیل گئی۔

"بہت خوب۔ ہم پہلے کی طرح ایک دوسرے کے دوست رہیں گے۔ ماضی ایک خواب تھا۔ اور خواب کسے یاد رہتا ہے۔" آدنتسوفا بولی۔

بیزروف اور آدنتسوفا یونہی باتیں کرتے رہے۔ کیا وہ واقعی سچ بول رہے تھے۔ کون کہہ سکتا ہے۔

"میں پردیس جانے والی تھی کہ تمہارا دوست آ گیا اور میں نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا۔ اب میرے فرائض میں اضافہ ہو چکا ہے۔ میں بیک وقت ماں اور محافظ بن چکی ہوں۔ تمہارا دوست بہت چالاک ہے۔"

"کیا وہ اب بھی تمہاری موجودگی میں شرماتا ہے؟"

"شرم کس بات کی؟ اب تو وہ مجھ سے خوب باتیں کرتا ہے۔ دراصل وہ کیٹیا کا گہرا دوست بن چکا ہے۔"

"تم کیا کہہ رہی ہو۔ اسے تو تم سے محبت تھی۔"

"اسے بھی مجھ سے محبت تھی۔ تم غلطی پر ہو یا فگنی۔"

بیزروف اور آدنتسوفا کی گفتگو زیادہ دیر تک جاری نہ رہی۔ وہ اٹھ کر ہال میں آ گئے۔ ان کا خیال تھا کہ سب وہاں موجود ہوں گے۔ آرکیڈی وہاں نہیں تھا۔ آرکیڈی باغ میں بیٹھا تھا۔ اور گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ آدنتسوفا بیزروف کے ساتھ تنہا تھی لیکن اس کے دل میں کوئی حسد نہیں تھا بلکہ اس کا چہرہ اور بھی فروزاں ہو گیا تھا۔ وہ متحیر بھی تھا اور مسرور بھی۔ وہ کسی بات کے متعلق سوچ رہا تھا۔

(۲۰)

مرحوم آدنتسوف کو جدید اختراعات سے نفرت تھی۔ لیکن اس نے فنونِ لطیفہ کو ایک حد تک برداشت کر لیا تھا۔ اس نے اپنے باغ میں مجسمے نصب کروا دئے تھے۔ یہ مجسمے تنہائی، خاموشی، تفکر، اداسی اور احساس کے مظاہر تھے۔ اس نے ایک مندر بھی بنوایا تھا۔ جس کے گرد جھاڑیاں ہی جھاڑیاں تھیں۔ آدنتسوفا نے اس دن سے اس مندر میں قدم نہیں رکھا تھا جس دن سے اس نے اس میں سانپ دیکھ لیا تھا۔ بیزروف کی آمد کے دوسرے دن کیٹیا اپنی سنگین نشست پر بیٹھی ہوئی تھی اور اس کے پہلو میں آرکیڈی موجود تھا۔ آرکیڈی اسے مجبور کر رہا تھا کہ وہ اس کے ساتھ مندر میں چلے۔ کھانا کھانے میں ابھی آدھ گھنٹہ تھا۔ رات کو اس کی بہن نے اسے کمرے میں بلایا تھا۔ اور آرکیڈی سے محتاط رہنے کی تلقین کی تھی۔ آرکیڈی خود

بھی کل سے زیادہ متفکر دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے کہا "کیٹیا۔ میں نے تم سے بہت سے معاملات پر بات کی لیکن ایک موضوع ابھی تک نہیں چھیڑا گیا۔ میں بہت بدل گیا ہوں اور میری تبدیلی کا باعث تم ہو۔"

"میں۔میں" کیٹیا ہکلائی۔

"جب میں یہاں آیا تھا تو میں خود پسند لڑکا نہیں تھا۔ میری عمر تیئیس سال کی ہو چکی ہے۔ میں سچائی کے لیئے اپنی تمام طاقت وقف کر دینا چاہتا ہوں آج تک میں نے تمہیں سمجھا نہیں تھا۔ اب میری آنکھیں کھل گئی ہیں۔ شاید میں اپنی وضاحت صفائی کے ساتھ پیش نہیں کر رہا۔ لیکن مجھے امید ہے کہ تم مجھے سمجھتی ہو۔"

کیٹیا نے کوئی جواب نہ دیا۔ دفعتاً آدنتسوفا کی صاف اور واضح آواز سنائی دی۔ "کاش جو کچھ کہ تم کہہ رہے ہو اس پر مجھے یقین ہوتا۔ آرکیڈی بےحس و حرکت ہو گیا اور کیٹیا زرد پڑ گئی۔ آدنتسوفا مندر کو جانے والے راستے پر بزروف سے باتیں کر رہی تھی۔

"تم دیکھ رہے ہو کہ میں نے اور تم نے غلطی کی ہے۔ ہم دونوں جوانی کے ابتدائی ایام سے گزر چکے ہیں۔" آدنتسوفا کا سلسلۂ کلام جاری تھا ہم دونوں نے زندگی کو قریب سے دیکھا ہے۔ ہم دونوں تھک چکے ہیں۔ ابتدا میں ہم دونوں نے ایک دوسرے کو دلچسپ پایا۔ تجسب بیدار ہوا۔ اور پھر......"

"اور پھر میں تمہارے لیئے باسی ہو گیا۔"

"اب تم کہتے ہو کہ آرکیڈی بھی......" آدنتسوفا بولی۔ بزروف نے قطع کلامی کی۔

"کیوں کیا تمہیں اس کی ضرورت نہیں ۔"

" یا فلگنی و بسلیف کیا کہہ رہے ہو۔ میں تو اس کی چچی لگتی ہوں۔ کیٹیا کے ساتھ وہ بھائیوں کا سلوک کرتا ہے ۔"

"کیٹیا کی تم بہن ہو۔ جبھی تمہیں یہ خوش فہمی ہے ۔"

" چھوڑو بھی ہم کیا لے بیٹھے ۔ تم جانتے ہو کہ میں تم سے ڈرتی ہوں۔ اور ساتھ ہی مجھے تم پر اعتبار ہے ۔ فی الحقیقت تم بہت نیک ہو ۔"

"سب سے پہلے تو میں نیک نہیں ہوں اور دوسرے تمہاری خاطر میں اپنی اہمیت بھول چکا ہوں ۔"

ان کے قدموں کی آہٹ دور ہوتی جا رہی تھی اب کچھ بھی سنائی نہیں دے رہا تھا۔

آرکیڈی کیٹیا سے مخاطب ہوا۔ وہ اسی طرح بیٹھی ہوئی تھی " کیٹیا سنو۔ مجھے تم سے محبت ہے۔ میں تمہارے سوا کسی اور سے محبت نہیں کرتا۔ میں تم سے یہ باتیں اس لئے کر رہا ہوں کہ تمہاری رائے معلوم کر سکوں۔ اور پھر تم سے شادی کی درخواست کر سکوں ۔ میری طرف دیکھو کیٹیا۔ اور کچھ منہ سے کہو۔ مجھے تم سے محبت ہے ۔"

کیٹیا نے آرکیڈی کی طرف سنجیدگی سے دیکھا اور بولی ۔" مجھے بھی تم سے ...... ۔"

آرکیڈی اچھل پڑا۔ اس نے اس کے ننھے اور حسین ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لئے اور سینے سے لگا لئے ۔ وہ اپنے پاؤں پر بمشکل کھڑا رہ سکتا تھا۔ کیٹیا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے ۔ آرکیڈی اپنی محبوبہ کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر دنیا کا خوش قسمت ترین انسان بن گیا تھا۔

دوسرے دن آدنتسوفا نے بزروف کو اپنے کمرے میں بلایا اور اسے آرکیڈی کا لکھا ہوا خط دکھایا جس میں اس نے کیٹیا کا ہاتھ طلب کیا تھا۔

بزروف نے خط پر تیز تیز نگاہ ڈالی اور اپنے آپ پر قابو رکھنے کی کوشش کرنے لگا۔

"اچھا تو یہ بات ہے۔ تم تو کل کہہ رہی تھیں کہ وہ کیٹیا سے بھائیوں کی طرح محبت کرتا ہے۔ اب تم کیا کرنا چاہتی ہو؟"

"تم مجھے کیا مشورہ دیتے ہو؟"

"میرے خیال میں تو تمہیں ان دونوں کے سر پر شفقت کا ہاتھ رکھ دینا چاہیئے۔ آرکیڈی بہت نیک لڑکا ہے۔ اپنے باپ کا اکلوتا بیٹا۔"

اگر تمہارا یہی خیال ہے تو میں بہت خوش ہوں۔ میں اس کے والد کی منظوری کا ضرور انتظار کروں گی۔"

"اچھا لو خدا حافظ۔ میں دور ہی رہ کر لطف اندوز ہوں گا۔"

"تم جا تو نہیں رہے۔ تم اب تھوڑے دن اور کیوں نہیں ٹھہرتے؟ ٹھہر جاؤ......"

"شکریہ لیکن میں محسوس کر رہا ہوں کہ میں اس فضا میں سانس لے رہا ہوں جو میری نہیں۔"

آدنتسوفا نے بزروف کی طرف دیکھا جو مسکرا رہا تھا۔ "اس شخص کو مجھ سے ضرور محبت تھی۔" وہ سوچ رہی تھی۔ اس نے اپنا ہاتھ بڑھا دیا۔

"میں غریب ہوں۔ خدا حافظ۔"

"مجھے یقین ہے کہ ہم آخری مرتبہ نہیں ملے۔ بلکہ پھر بھی ملیں گے۔" آدنتسوفا نے اعلان کیا۔

" دنیا میں ہر چیز ممکن ہے۔" بیزروف نے سر جھکایا اور چل دیا۔
بیزروف فرش پر جھک کر اپنا سامان باندھنے لگا۔" اچھا تو اب تم اپنا گھونسلا بنانے کی فکر میں ہو۔"
"تم تو عجیب احمق ثابت ہوئے ہو۔" بیزروف نے آرکیڈی سے کہا۔
"جب تم سے جدا ہوا تھا تو مجھے اس چیز کی قطعاً توقع نہیں تھی لیکن تم بھی تو احمق ہو۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ شادی کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے۔"
"کچھ بھی ہو دوست زندگی تو گزارنی ہی پڑتی ہے۔ تمہیں یاد ہے کہ میری کیٹیا کے متعلق کیا رائے ہے۔ وہ بہت ہوشیار ہے۔ ہمیشہ اس کا ٹھینگا تمہارے سر پر رہے گا۔" اس نے کھٹاک سے اپنے بکس کا ڈھکنا بند کیا۔" اچھا تو اب میں تم سے بھی خدا حافظ کہتا ہوں۔ تم نے دانشمندی کا ثبوت دیا ہے۔ تمہاری رگوں میں جوانی کی آگ ہے۔ میں جانتا ہوں کہ تم جنگ کرنے کے قابل نہیں۔ لڑینگے تو ہم۔ مریں گے تو ہم۔ ہمارا تمہارا کیا ساتھ۔ تم اپنے کو سراہتے ہو مگر ہمیں کسی اور چیز کی ضرورت ہے۔ ہم دوسرے لوگوں کی کمر توڑ دینا چاہتے ہیں......"
" یا فگنی۔ تم مجھ سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو رہے ہو۔" آرکیڈی نے افسردہ خاطر ہو کر کہا۔"کیا تم مجھ سے ایک بات بھی نہ کہو گے؟"
بیزروف نے اپنی پیٹھ کھجلائی اور بولا۔" ہاں مجھے تم سے بہت سی باتیں کہنا ہیں۔ مگر میں کہوں گا نہیں۔ کیونکہ انہیں پھر جذباتیت میں داخل کر لیا جائے گا۔ جس قدر جلد ہو سکے شادی کر لو۔ اپنا آشیاں بنالو۔ جی بھر کے۔

بچے پیدا کرو۔ کیونکہ وہ اچھے وقت میں پیدا ہوں گے۔ بس اتنا ہی کافی ہے۔ میں سب سے خدا حافظ کہہ چکا ہوں۔ یہ کیا۔ بغلگیر ہو گے؟"

آرکیڈی اپنے سابق لیڈر اور دوست سے لپٹ گیا۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے چھلکنے لگیں۔

گاڑی کے پہیے کھڑکھڑائے اور گاڑی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

بیزروفتے ٹھیک کہا تھا۔ اسی شام کو وہ اپنے دوست کو بھول گیا۔ کیٹیا کے سوا اب اسے کسی بات کا ہوش نہیں تھا۔ اب اس کی رہنمائی کیٹیا کر رہی تھی۔ وہ دوسرے دن اپنے والد سے ملنے کے لئے مارنیو جانے والا تھا۔ آدنتسوفا اب ان دونوں کے راستے میں حائل نہیں ہو رہی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ آرکیڈی کو اور کیٹیا کو اکٹھے دیکھ کر خوش نہیں ہو گی۔ لیکن وہ خوش تھی۔

(۲۱)

بیزروف گھر جلدی لوٹ آیا تو اس کے والدین کی مسرت کی کوئی حد نہ رہی۔ آرنیا اس کی ماں تو گھر میں اِدھر سے اُدھر پھدکنے لگی۔ اس کا باپ منہ میں پائپ لے کر اسے بری طرح چباتا رہا۔

" ابا میں تمہارے پاس چھ ہفتوں کے لئے آیا ہوں۔ میں کام کرنا چاہتا ہوں۔ میں بہت خوش ہوں گا اگر تم میری مصروفیت میں دخل انداز نہ ہو گے۔"

" میں تمہیں نظر بھی نہ آؤں گا۔" وسیلی وفورِ مسرت سے دیوانہ ہو رہا تھا۔

اُس نے اپنا دارالمطالعہ بیٹے کے لئے خالی کر دیا۔ اس نے اپنی بیوی

کو سمجھا دیا کہ وہ اپنے بیٹے کو تنگ نہ کرے نہیں تو وہ پھر چلا جائے گا ۔ وہ بیٹے کو کھانے کی میز پر ہی ملتی ۔ وہ اسے بلانا چاہتی تھی مگر ہچکچا جاتی ۔ بیزروف اپنے کام سے جلد ہی تنگ آگیا ۔ اس پر بیزاری اور اکتاہٹ کا دورہ پڑ گیا ۔ اس نے تنہائی میں سیر کو جانا بھی بند کر دیا ۔ اب وہ مجلس پسند ہو گیا ۔ وہ نشستگاہ میں چائے پیتا ۔ باغ میں ٹہلتا رہتا ۔ وسیلی اپنی بیوی سے کہتا ۔ " ہمارا بیٹا اداس اداس رہتا ہے ۔ وسیلی کوشش کرتا کہ بیٹے سے آرکیڈی ، اس کے کام اور اس کی صحت کے بارے میں کچھ دریافت کرے ۔ لیکن جھجک جاتا ۔

بیزروف بعض اوقات گاؤں میں چلا جاتا اور کسی کسان کو پکڑ کر اس سے باتیں کرنے لگتا ۔ وہ اپنے حسب معمول انداز میں پوچھتا "مجھے بتاؤ زندگی کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے ۔ میں نے سنا ہے کہ روس کی تمام قوت اور روس کا تمام مستقبل تمہارے ہاتھ میں ہے ۔ تم تاریخ کے نئے دور کی بنیاد رکھو گے ۔ ہمیں اپنی خاص زبان اور سچے قوانین عنایت کرنا "

" ہم کوشش کرینگے ...... " کسان جواب دیتے ۔

بیزروف کو آخر کار دل بہلانے کے لئے کام مل ہی گیا ۔ ایک دن وسیلی کسی مریض کی پٹی باندھ رہا تھا کہ اس کے ہاتھ کپکپا گئے ۔ وہ زخم پر پٹی نہ باندھ سکا ۔ بیزروف نے مریض کے زخم پر پٹی خود باندھی ۔ اور اس نے آئندہ کے لئے ارادہ کر لیا کہ وہ اپنے والد کا ہاتھ بٹایا کرے گا ۔ بیزروف دوا بھی تجویز کرنے لگا ۔ وسیلی منہ میں پائپ لے کر بیٹے کی باتیں بڑے انہماک سے سنتا ۔ وہ مطمئن تھا ۔ " خدا کا شکر ہے کہ اس کی افسردگی دور ہوئی " وہ دل ہی دل میں کہتا ۔ وہ خوش تھا کہ اسے اپنے بیٹے ایسا لائق معاون مل گیا تھا ۔

وہ کسان عورت سے کہہ اٹھتا : "خدا کا شکر بجا لاؤ کہ میرا بیٹا میرے ساتھ ہے۔
تمہارا علاج اب جدید طریقے سے ہو سکے گا۔" کسان عورت سر جھکا لیتی اور دوا
کے معاوضے میں مرغی کے انڈے چھوڑ جاتی۔

بزروف نے ایک مرتبہ ایک پھیری والے کا دانت نکالا۔ دانت ایک
اوسط درجے کا دانت تھا۔ مگر وسیلی نے اسے بھی ایک اچنبھا قرار دیا۔
اس نے پادری الیکسی سے کہا۔" یا فگنی کے ہاتھوں میں کتنی صفائی اور طاقت
ہے کہ اس نے درخت سے مضبوط دانت کو جڑ سے چٹکی میں اکھاڑ دیا۔"
پادری الیکسی نے بھی تعریف کی۔

ایک دن ایک کسان پڑوس کے گاؤں سے اپنے بھائی کو لے کر آ گیا جو
ٹائفس کے بخار میں مبتلا تھا۔ بدقسمت اور غریب شخص مر رہا تھا۔ اس
کے جسم پر دانے نکلے ہوئے تھے۔ وسیلی نے اس کی زندگی کی طرف سے
مایوسی کا اظہار کیا۔ بوڑھا کسان اپنے بھائی کو زندہ گھر واپس نہ لے جا
سکا۔ غریب راستے ہی میں مر گیا۔ تین دنوں کے بعد بزروف اپنے والد
کے کمرے میں آیا اور بولا۔" تمہارے پاس کاسٹک تو نہیں ؟"

"ہاں ہوگا۔"

"کس کیلئے چاہیئے ؟"

"مجھے اپنے لئے چاہیئے۔ میری انگلی کٹ گئی ہے۔"

"وہ کیسے ؟"

"میں اس کسان کے گاؤں میں گیا تھا جو ٹائفس کا مریض تھا۔ وہاں
کے ڈاکٹر اس کے جسم کو کاٹ کر دیکھنا چاہتے تھے۔ مجھے تجربہ نہیں تھا میں
نے اس کے جسم کی تشریح کی لیکن ایسا کرتے ہوئے میری انگلی کٹ گئی۔"

ویسلی کا رنگ سفید پڑ گیا۔ وہ دوڑا دوڑا گیا اور کاسٹک لے کر آ گیا۔ ویسلی نے التجا کی کہ وہ اسے زخم کو جلانے دے۔

" جلانے دو ابا۔ اب کیا ہو گا۔ اگر زہر میرے جسم میں پھیل چکا ہے تو اس سے کوئی فائدہ نہ ہو گا۔"

"کیا اس زخم کو آئے ہوئے واقعی دیر ہو چکی ہے۔"

" چار گھنٹے ہو چکے ہیں۔"

"کیا اس گاؤں کے ڈاکٹر کے پاس کاسٹک نہیں تھا؟"

" نہیں۔"

ویسلی اس دن اور دوسرے دن بار بار اپنے بیٹے کے کمرے میں جانے کی کوشش کرتا رہا۔ وہ اس کے چہرے کی طرف دیکھتا۔ اس سے اس کا حال پوچھتا۔ بیز روف اتنا تنگ ہوا کہ اس نے دھمکی دی کہ وہ وہاں سے چلا جائے گا۔ دو دن تو ویسلی نے اپنے بیٹے کو بغیر دیکھے گذار دئے۔ تیسرے روز بیز روف کھانے کی میز کے گرد بیٹھا رہا۔ اور اس نے کسی چیز کو ہاتھ تک نہ لگایا۔

" تم کھاتے کیوں نہیں یا فگنی؟"

" مجھے بھوک نہیں۔ میرے سر میں درد ہے۔"

" یا فگنی ناراض نہ ہونا۔ مجھے نبض تو دکھاؤ۔"

" میں جو تمہیں بتا رہا ہوں کہ مجھے بخار ہے۔"

" تم پر لرزہ بھی طاری رہا ہے؟"

" ہاں میں چلتا ہوں اور سوتا ہوں۔ شاید مجھے سردی لگ گئی ہے۔"

" میں نے رات کو تمہیں کھانستے ہوئے سنا تھا۔" آرنیا بولی۔

"ہاں مجھے سردی لگ گئی ہے۔" بیزروف نے پہلی بات دہرائی۔

بیزروف اس رات کو اٹھ کر بیٹھ نہ سکا۔ دوسرے دن ایک بجے اس کی آنکھ کھلی تو اس نے دیکھا کہ اس کے والد کا زرد چہرہ اس پر جھکا ہوا تھا۔ بیزروف خشم آلود ہو گیا۔ اس نے اپنے والد کو وہاں سے چلے جانے کا اشارہ کیا۔ بوڑھا باپ پیچھے ہٹ گیا۔ اس نے الماری کے پیچھے سے اپنے بیٹے کی طرف دیکھا۔ آرنیا بھی چھپ چھپ کر بیٹے کو دیکھنے آتی تھی۔ اسے حیرت ہو رہی تھی کہ اس کا بیٹا سانس کس طرح سے رہا تھا۔ صبح کے وقت بیزروف نے بستر سے اٹھنا چاہا۔ لیکن اس کی آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا۔ اس کی ناک سے خون بہنے لگا۔ وسیلی اس کی تیمارداری کرنے لگا۔

تمام گھر پر تاریکی مسلط ہو گئی۔ وسیلی نے بیزروف سے سوالات کئے لیکن اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ وسیلی باغ میں آکر سوچنے لگا۔ آرنیا بھی دبے پاؤں اس کے پیچھے آ گئی اور بولی۔ "اسے کیا ہو گیا ہے؟" اس سوال پر اسے ہوش آیا۔ اس نے اپنے ہونٹوں پر زبردستی کی مسکراہٹ پیدا کر لی۔ دوسرے دن ڈاکٹر کو بلایا گیا۔ بیزروف نے کروٹ بدلی اور کچھ پینے کو مانگا۔ وسیلی اپنے بیٹے کی طرف دیکھ کر پیچھے ہٹ گیا جیسے اس پر بھاری ضرب پڑی ہو۔

"یا فگنی۔ خدا رحم کرے تم تو کہتے تھے کہ مجھے سردی لگ گئی ہے۔"

"ہوش کرو ابا ایک ڈاکٹر کو ایسی باتیں نہیں کرنی چاہئیں۔ میرے جسم میں زہر پھیل چکا ہے۔"

"کیسا زہر یا فگنی؟"

بیزروف نے اپنی قمیص کے بٹن کھول دئے۔ اس کے جسم پر دانے نکل رہے تھے۔

"میں اس قدر جلد نہیں مرنا چاہتا تھا آبا - پھر بھی حوصلہ کرو۔" اس نے تھوڑا سا پانی پیا اور بولا "میں تم سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔ قبل اس کے کہ میرا دماغ ماؤف ہو جائے۔ آبا ایک نامہ بر بھیج دو۔"

"آرکیڈی کے ہاں۔"

"آرکیڈی کون ہے۔ اوہ میں اسے جانتا ہوں۔ نہیں اسے تنہا رہنے دو۔ اب اس نے اپنے آشیاں بنالیا ہے۔ تم ایک نامہ بر خاتون آدنتسوفا کے ہاں بھیج دو۔ اسے یہ لکھ بھیجو کہ میں مر رہا ہوں......"

"یا فگنی تمہاری موت کا امکان ہے ؟"

"میں کچھ نہیں جانتا۔ تم نامہ بر بھیج دو۔"

"میں ابھی خط لکھ دیتا ہوں۔"

"خط لکھنے کی ضرورت نہیں صرف پیغام بھجوا دو۔ نہ جانے کیوں آج میں موت کے متعلق سوچ رہا ہوں۔ میری آنکھوں میں دھند چھا رہی ہے۔"

بزروف نے دیوار کی طرف منہ کر لیا۔ اور وسیلی اپنے دارالمطالعہ میں بمشکل پہنچ سکا۔ اس نے اپنی بیوی کو آواز دی اور دوزانو ہو گیا۔

"آرنیا دعا کرو ہمارا بیٹا مر رہا ہے۔"

ڈاکٹر نے اس کے سر پر ٹھنڈے پانی کی پٹی رکھنے کے لئے کہا۔ اس نے اس کی شفایابی کی امید بھی دلائی۔ بزروف کی طبیعت لحظہ بہ لحظہ خراب ہوتی جا رہی تھی۔ مرض زور پکڑتا جا رہا تھا۔ اس پر بے ہوشی مگر ابھی تک طاری نہیں ہوئی تھی۔ وہ اپنے حواس نہیں کھونا چاہتا تھا۔ وسیلی کمرے میں چہل قدمی کر رہا تھا۔ آرنیا اسٹول پر بیٹھی ہوئی دعا کر رہی تھی۔

بیزروف نے رات تکلیف میں گذاری۔ صبح ہوئی تو اس کی تکلیف کم ہوگئی۔ اس نے اپنی ماں سے کہا کہ وہ اس کے بال سنوار دے۔ وسیلی کا اضطراب بھی کچھ کم ہوگیا۔

"خدا کا شکر ہے" وہ بار بار کہہ رہا تھا۔ "تباہی نزدیک آرہی ہے۔"

"سنو۔ ایک لفظ کیا کچھ کرسکتا ہے" بیزروف بڑبڑایا۔ انسان الفاظ پر کتنا اعتبار رکھتا ہے۔ اگر اسے کہا جائے کہ وہ بے وقوف ہے تو وہ اداس ہوجائے گا۔ اگر اس سے کہا جائے کہ وہ ہوشیار ہے تو اس کا چہرہ چمک اٹھے گا" بیزروف مسکرایا۔ "اپا تباہی نزدیک ہے کہ گذر گئی"

"گذر گئی بیٹا گذر گئی"

"تم نے خاتون آدنتسوفا کو پیغام بھجوا دیا تھا؟"

"ہاں"

یہ تبدیلی زیادہ دیر تک قائم نہ رہی۔ مرض نے پھر زور پکڑا۔ وسیلی بیزروف کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ بوڑھا سخت قسم کی اذیت سے گذر رہا تھا۔ وہ بولنا چاہتا تھا مگر اس کے لب نہیں کھلتے تھے۔

"یافگنی میرے بیٹے۔ میری جان"

بیزروف پر ان الفاظ نے اثر کیا۔ "کیا ہے ابا؟"

"یافگنی تم اچھے ہوجاؤ گے مگر مجھے ایک مسیحی کے فرائض ادا کرلینے دو۔ میں جانتا ہوں کہ تمہیں دکھ ہوگا۔ لیکن ذرا سوچو ......" بوڑھے کی آواز ٹوٹ گئی۔ بیزروف آنکھیں بند کئے ہوئے سویا ہوا تھا"

"میں انکار نہیں کروں گا۔ تھوڑی دیر اور ٹھہرو۔ میں سونا چاہتا ہوں۔

اس وقت مجھے تنگ نہ کرو۔" بوڑھا آرام کرسی پر بیٹھ گیا۔
اتنے میں گاڑی کے پہیوں کی کھڑکھڑاہٹ سنائی دی۔ گاڑی نزدیک آتی جارہی تھی۔ گھوڑوں کی ہنہناہٹ سنائی دی۔ وسیلی اچھل کر کھڑا ہوگیا اور کھڑکی کی طرف بڑھا۔ ملازم گاڑی کا دروازہ کھول رہا تھا۔ ایک خاتون چہرے پر سیاہ نقاب ڈالے ہوئے گھر میں داخل ہو رہی تھی۔
" میں آدنتسوفا ہوں۔ یا فگنی کیا ابھی تک زندہ ہے اور تم اس کے والد ہو؟ میں اپنے ساتھ ڈاکٹر بھی لائی ہوں۔"
"میری محسنہ۔ یا فگنی ابھی تک زندہ ہے۔ اب وہ بچ جائے گا۔ آرنیا۔ آرنیا خدا نے فرشتۂ رحمت بھیج دیا۔"
آرنیا دوڑتی ہوئی آئی۔ آدنتسوفا کے قدموں پر گر گئی اور اس کا لباس چومنے لگی۔
"کیا کر رہی ہو۔" آدنتسوفا نے کہا۔ مگر آرنیا اس کی بات سن نہیں رہی تھی۔ وسیلی کہے جارہا تھا۔" فرشتہ۔ فرشتہ۔"
" مریض کہاں ہے؟" ڈاکٹر نے کہا۔
" ادھر اس کمرے میں ہے۔"
" آہ۔ جرمن ڈاکٹر کے منہ سے نکلا۔
وسیلی نے جھک کر کہا۔" خاتون آدنتسوفا کا ڈاکٹر آیا ہے۔"
بزروف نے دفعتاً اپنی آنکھیں کھول دیں۔" کیا کہا تم نے؟"
" خاتون آدنتسوفا اپنا ڈاکٹر لے کر آئی ہے۔"
" خاتون آدنتسوفا یہاں ہے۔ میں اسے دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"پہلے ڈاکٹر کو تو دیکھ لینے دو۔ ہم جب تک مشورہ کریں گے۔ جب تک تم خاتون آدنتسوفا سے مل لینا۔"

"بہت اچھا۔"

مشورہ شروع ہوا۔ آدھ گھنٹے کے بعد آدنتسوفا بیزروف کے کمرے میں داخل ہوئی۔ ڈاکٹر نے اس سے کہہ دیا تھا کہ مریض کے شفایاب ہونے کی قطعاً کوئی امید نہ تھی۔ آدنتسوفا نے بیزروف کے موت کی طرح زرد چہرے کی طرف دیکھا اور اس کی پھٹی پھٹی ہوئی آنکھوں نے اسے بے حد متاثر کیا۔ اسے محسوس ہوا کہ اگر اسے واقعی بیزروف سے محبت ہوتی تو وہ کبھی اس طرح محسوس نہ کرتی جس طرح کہ اس وقت کر رہی تھی۔

"تم نے مجھ پر کرم کیا گو مجھے اس کی توقع نہ تھی۔ آخر کار ہم آپس میں پھر ملے۔"

"خاتون آدنتسوفا نے ہم پر بہت بڑا کرم کیا ہے۔" ویسلی بولا۔

"ابا ہمیں تنہا چھوڑ دو۔"

ویسلی باہر آ گیا۔

"شکریہ۔" بیزروف نے بات دہرائی۔ "سنتے ہیں کہ شہنشاہ بھی مردوں سے ملنے کے لئے آیا کرتے ہیں۔"

"یا فگنی مجھے امید ہے......"

"آدنتسوفا۔ ہم سچ کیوں نہ بولیں۔ میں ختم ہو چکا ہوں۔ میں پہیئے کے نیچے آ گیا ہوں۔ موت ایک بہت پرانا مذاق ہے۔ لیکن ہر ایک کے ساتھ تازہ ہو کر پیش آتا ہے۔ میں ابھی تک ہوش میں ہوں لیکن جلد ہی مجھ پر غشی طاری ہو جائے گی۔" مجھے اور کیا کہنا ہے یہی کہ مجھے تم سے محبت تھی۔ محبت ایک

جینٹلمین ہے۔ اب تو میری حیثیت ہی بگڑنے والی ہے۔ میں اب یہ کیوں نہ کہوں کہ تم کس قدر حسین ہو..... "

آدنتسو فا کپکپا اٹھی۔

" اچھا جانے دو۔ بیٹھ جاؤ۔ میرے نزدیک نہ آنا۔ مجھے چھوت کی بیماری ہے۔"

آدنتسو فا بیزروف کے نزدیک آگئی۔

" بہت نیک دل ہو۔ جوان تازہ اور پاکیزہ۔ اس غلیظ کمرے میں تازگی اور پاکیزگی کا گذر۔ میرے خدا۔ اچھا خدا حافظ۔ سالوں تک جیو اور اپنی عمر کا پورا پورا فائدہ اٹھاؤ۔ میری طرف دیکھو۔ میں ایک مسلا ہوا کیڑا ہوں۔ ایک روح فرسا منظر ہوں۔ میں سوچا کرتا تھا میں نے ہزاروں چیزیں توڑ کر رکھ دی ہیں۔ میں نہیں مر سکتا۔ اب تو میرے سامنے یہی سوال ہے کہ میں کس طرح خوبصورتی کے سامنے جان دوں۔"

بیزروف خاموش ہو گیا۔ وہ اپنا ہاتھ بڑھا کر گلاس ڈھونڈنے لگا۔ آدنتسو فا نے اسے اپنے دستانے والے ہاتھ سے گلاس پکڑا دیا۔

" تم مجھے بھول جاؤ گی مردے سے زندے کا کیا ساتھ۔ میرے والدین سے بحث نہ کرنا۔ ان کو تسلی دینا۔ وہ لاکھوں میں ایک ہیں۔ روس کو میری ضرورت تھی۔ اب مجھ پر یہ راز کھلا ہے کہ میری قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔ روس کو درزی، موچی، قصاب اور کسان چاہئیں..... "

بیزروف اپنا ہاتھ اپنے ابروؤں تک لے گیا۔

" خدا حافظ سنو۔ میں نے اسوقت تمہیں بوسہ نہیں دیا تھا۔ اب بجھتی ہوئی شمع کو پھونک مار دو اور اسے بجھ جانے دو۔"

آدمنتسوفا نے اس کی پیشانی پر اپنے ہونٹ رکھ دیے۔
"بس کافی ہے۔ اب میرے سامنے اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔"
آدمنتسوفا آہستگی کے ساتھ باہر نکل آئی۔
دسیلی نے پوچھا "کہو۔ اس کا کیا حال ہے؟"
"وہ سو رہا ہے" اس نے بلند آواز سے کہا۔

بزروف کے مقدر میں دوبارہ جاگنا نہیں لکھا تھا۔ شام ہوئی تو وہ بالکل بے ہوش ہو گیا اور دوسرے دن ہمکنارِ موت ہو گیا۔ بوڑھے پادری الیکسی نے آخری مذہبی رسم ادا کی۔ جب مقدس تیل اس کے سینے پر لگایا گیا۔ تو اس کی ایک آنکھ اتفاقیہ طور پر کھل گئی۔ مردہ چہرے پر جیسے خوف کی لہر دوڑ گئی ہو کہ اس کے ساتھ یہ کیا ظلم کیا جا رہا تھا۔ بچارے دسیلی پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا۔ وہ چیخ رہا تھا۔ آرینا۔ آنسوؤں کے دریا بہا رہی تھی۔ میاں بیوی لپٹ کر رو رہے تھے۔ دوپہر تک تو ان سے گردن بھی نہیں اٹھائی جاتی تھی۔

دوپہر ہوتی ہے۔ شام ہوتی ہے اور پھر رات۔ انسان کو غم و آلام سے چھٹکارا نصیب آتا ہے اور وہ سو جاتا ہے۔

(۲۲)

چھ مہینے گزر چکے تھے۔ سردی اپنے ساتھ برف کا طوفان لے آئی تھی۔ شاخوں پر مکان کی چھتوں پر برف ہی برف دکھائی دیتی تھی۔ جنوری کا ایک دن ختم ہو رہا تھا۔ ماریو میں نکولائی کے گھر کی کھڑکیوں کی روشنی باہر آ رہی تھی۔ ایک ہفتہ پہلے چھوٹے سے کلیسا میں دو شادیاں ہوئی تھیں۔ ان شادیوں پر کوئی گواہ حاضر نہیں تھا۔ پہلی شادی آرکیڈی اور

کیٹیا کی اور دوسری نکولائی اور فینچکا کی ہوئی تھی ۔ اس دن نکولائی اپنے بھائی پافل کو الوداعی دعوت دے رہا تھا جو ماسکو جارہا تھا۔ آدنتسوفا بھی ان سب کے لئے تحائف لے کر آئی ہوئی تھی ۔ یہ تمام چہرے بہت تبدیل ہو چکے تھے ۔ ہر کوئی مضبوط اور خوبصورت ہوگیا تھا۔ فینچکا ریشمی لباس میں بالکل مختلف نظر آتی تھی ۔ کیٹیا متانت کا اظہار کر رہی تھی ۔ نکولائی کو اپنے بیٹے کی بہو بہت پسند آئی تھی ۔

کھانے کے بعد نکولائی کھڑا ہوگیا اور بولا " میرے عزیز بھائی تم جا رہے ہو۔ زیادہ دنوں کے لئے نہیں پھر بھی ہم تمہاری روانگی پر۔ تمہاری روانگی پر " اس سے آگے اسے الفاظ نہ ملے ۔ وہ بولا " دراصل مجھے تقریر کرنا نہیں آتی ۔ آؤ بھائی اٹھو اور ہم بغلگیر ہوں "

پافل بھائی کے ساتھ بغلگیر ہوا اور اس نے ہر ایک کو بوسہ دیا۔

کیٹیا نے جام اٹھایا اور دبی زبان میں آرکیڈی سے گویا ہوئی ۔ " آؤ ہم بیزروف کی یاد میں ایک جام پئیں " آرکیڈی اس تجویز پر بہت خوش ہوا ۔

افسانہ انجام کو پہنچ چکا ہے ۔لیکن شاید اس افسانہ کے پڑھنے والے اس کے کرداروں کے حالات معلوم کرنا چاہیں اس لئے ان کی اطلاع کے لئے ہم اتنا کہنے پر اکتفا کرتے ہیں ۔

آدنتسوفا نے شادی کر لی ہے اس کے خاوند کو سماج میں قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے ۔ وہ دونوں ہم آہنگی کے ساتھ زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اور بہت خوش ہیں ۔

آرکیڈی نے اپنے باپ کے کاروبار میں دلچسپی کے ساتھ حصہ لینا

شروع کر دیا ہے۔
کیشیا کے ہاں لڑکا پیدا ہوا ہے۔ اور فنچکا کا بیٹا گھر میں کودتا پھرتا ہے۔
نکولائی کے ملازم پی آئر نے بھی شادی کر لی ہے۔ اب اس کے پاس
صرف گھڑی ہے بلکہ چمکیلے بوٹ بھی۔
ڈریسڈن کے بازاروں میں شام کے وقت تمہیں نہایت اچھا لباس
پہنے ہوئے سفید بالوں والا ایک شخص ملے گا۔ یہ پاؤل ہے۔ وہ اسوقت
اپنی زندگی پردیس میں گزار رہا ہے۔ روسی اور انگریز سیاحوں کی اعانت
کے لئے ہر وقت تیار رہتا ہے۔
خاتون کوکشینا بھی اسوقت پردیس میں ہے۔ وہ آج بھی طالب علموں
کے پیچھے پھرتی رہتی ہے۔
سٹنکیف پیٹرزبرگ میں آوارہ گردی کر رہا ہے۔ سننے میں آیا ہے کہ
اس کو پچھلے دنوں خوب پیٹا گیا ہے۔
روس کے دور افتادہ گاؤں میں ایک چھوٹا سا قبرستان ہے۔ عام
قبرستانوں کی طرح جو دلدوز منظر پیش کرتے ہیں۔ صلیبیں ٹوٹی پڑی ہیں۔
قبروں کے پتھر اکھڑے ہوئے ہیں۔ قبروں پر ننگے اور ٹنڈ منڈ درخت سایہ
پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن ایسی شکستہ قبروں میں ایک قبر ایسی
بھی ہے جسے حوادث نے چھیڑا بھی نہیں۔ اس کے اوپر جو درخت
سایہ کئے ہوئے ہے تازہ ہے۔ اس کی شاخوں پر پرندے گاتے رہتے ہیں۔
اس قبر میں یافگنی بزروف مدفون ہے۔ گاؤں سے ایک بوڑھا جوڑا
اکثر اوقات اس قبر کو دیکھنے کے لئے آتا ہے۔ میاں بیوی گرتے پڑتے بہاں
آتے ہیں اور دوزانو ہو کر آنسو بہاتے ہیں۔ قبر کے پتھر صاف کرتے ہیں۔

درخت کی شاخوں کو سیدھی کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کا عزیز بیٹا یہیں آرام کی نیند سو رہا ہے۔

کیا یہ ہو سکتا ہے کہ ان کے آنسو رائیگاں جائیں؟ کیا یہ ممکن ہے کہ محبت کوئی اثر نہ دکھائے؟ آہ نہیں۔ اس قبر میں مدفون دل کتنا ہی گنہگار کیوں نہ ہو۔ قبر پر جو پھول اگے ہوئے ہیں وہ ہماری طرف اپنی معصوم آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ وہ ہمیں ابدی نیند کا راز ہی نہیں بتلاتے بلکہ ہمیں ایک ایسی زندگی سے آشنا کرتے ہیں جس کا انجام لامحدود ہے۔

ناظمہ

(تورگنیف کا مشہور طویل افسانہ)

اس وقت میری عمر پچیس برس کے قریب تھی۔ میں گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ میں خدا کی دنیا دیکھنا چاہتا تھا۔ میرے پاس خدا کا دیا ہوا بہت کچھ تھا۔ اس وقت تک میں نے کسی مصیبت کا سامنا نہیں کیا تھا۔ میں زندگی سے مطمئن نہیں تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ انسان ایک وقت تندرست ہوتا ہے اور دوسرے وقت فارغ البال۔ میں اپنی زندگی سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔

میں بغیر کسی مقصد کے سفر کر رہا تھا۔ جب کوئی مقام مجھے پسند آتا وہاں ٹھہر جاتا۔ اور جب نئے نئے چہرے اور حسین صورتوں کی خواہش دوبارہ دل میں پیدا ہوتی تو وہاں سے چل پڑتا۔ مجھے آثارِ قدیمہ اور قابلِ دید نوادر سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ میں تو صرف لوگوں کی صورتوں کا شیدائی تھا۔ لوگوں کی گفتگو، ان کی حرکات و سکنات، ان کے قہقہے میرا دل چھین لیتے تھے۔ یہ ایسی چیزیں تھیں جن کے بغیر میں زندگی بسر نہیں کر سکتا تھا۔ میرا واحد مشغلہ یہی تھا کہ لوگوں کو دیکھتا رہوں۔ دیکھتا رہوں۔

بیس برس گذرے میں چھوٹے سے قصبے ن — میں ٹھہرا ہوا تھا۔ یہ قصبہ ایک دریا کے دائیں کنارے پر واقع ہے۔ میں تنہائی کی تلاش میں تھا کیونکہ ایک

نوجوان بیوہ کے تغافل نے میرا دل مجروح کر دیا تھا۔ وہ حد سے زیادہ خوبصورت تھی اس نے ایک نوجوان افسر کی خاطر مجھے چھوڑ دیا۔

قصبہ ن۔ دو پہاڑیوں کے دامن میں واقع ہے۔ اس کی قدیم اور شکستہ دیوار میں اور مینارے۔ دریا کا خرام دلنشین۔ یہ چیزیں مجھے ٹھہرنے پر مجبور کر رہی تھیں۔ ایک دن سورج غروب ہونے کے فوراً بعد سیاہ بالوں والی لڑکیاں اس پرانے قصبے کی سڑکوں پر مصروفِ سیر تھیں۔ وہ جب کسی اجنبی کو دیکھتیں تو اس کا خیر مقدم دلفریب تبسم سے کرتیں۔ چاند جب ٹوٹے پھوٹے مکانات کی چھتوں سے زیادہ بلند ہو گیا اور جب سڑکیں چاندنی میں فروزاں ہو گئیں تو تمام قصبہ پر نکھار آ گیا میں اس حسن سے مسحور ہو کر لمبے لمبے سانس لینے لگا اور گئی رات تک مصروف سیر رہا۔ قصبہ ن۔ سے دریا قریباً ایک میل کے فاصلے پر ہے۔ میں اکثر اس دریا کے کنارے بھی آیا کرتا۔ یہاں آکر ستم شعار بیوہ کو یاد کیا کرتا۔ دریا کے دوسرے کنارے پر قصبہ ب۔ آباد تھا۔ میرے کانوں میں دفعتاً رقص و سرود کی محفل کے گرم ہونے کی آواز آئی۔ "یہ کیا ہو رہا ہے ؟" میں نے ایک بوڑھے آدمی سے دریافت کیا۔ اس نے اپنے پائپ سے دھواں چھوڑتے ہوئے کہا" کالج کے لڑکے یہاں تفریح کی غرض سے آئے ہوئے ہیں۔"

میں قصبہ ب۔ میں ابھی تک نہیں گیا تھا۔ اس خیال کے آتے ہی میں نے ایک کشتی والے کو تلاش کیا اور دریا کے پار چلا گیا۔

——————(۲)——————

طالب علم اپنا نفیس لباس زیب تن کر کے تفریحی جشن منا رہے تھے۔ ایک جنگلی خود رو بیل کے سائے میں گانے والے گا رہے تھے اور لیموں کے رس سے خود کو تازہ کر رہے تھے۔ اُن کے گرد تماشائیوں کا ہجوم تھا۔ میں بھی ان میں

جا کر شامل ہو گیا۔ طالب علموں کی رنج و آلام سے بے نیاز زندگی میرے دل میں ہلچل پیدا کر رہی تھی۔

"کیا ابھی تک جی نہیں بھرا ناظمہ؟" ایک مرد کی آواز نے پوچھا۔

"تھوڑی دیر اور ٹھہر جاؤ۔" نسوانی آواز سنائی دی۔

ایک خوبصورت نوجوان کے بازو پر سہارا دیئے ہوئے ایک میانہ قد کی دوشیزہ کھڑی ہوئی تھی۔

میں نے بڑھ کر پوچھا۔ "آپ صوبہ ج۔ کے رہنے والے تو نہیں؟"

"جی ہاں ہم وہیں سے آئے ہیں اور آپ بھی تو اسی صوبہ کے معلوم ہوتے ہیں۔ میرا نام مسعود ہے اور یہ میری بہن ناظمہ ہے۔"

میں نے اپنا نام بتایا اور ہم باتیں کرنے لگے۔ وہ بھی میری طرح سیر و سیاحت میں مصروف تھے۔ مسعود کی پہلی ہی نظر نے میرے دل پر فتح پالی تھی۔ دونوں بہن بھائی ہنس مکھ تھے بہن کی آنکھیں غزالیں تھیں۔ مئے رنگین کے دو بھرے ہوئے جام۔ ابھی وہ جسمانی اعتبار سے مکمل نہیں ہوئی تھی۔

"آئیے ہمارے مکان پر تشریف لے چلیے یہ جشن تو اب ختم ہو رہا ہے۔ ناظمہ چلتی ہو؟"

ناظمہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

ہم سب روانہ ہوئے۔ قصبے کی ٹوٹی پھوٹی دیوار کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے ہم ایک تنگ دروازے کے سامنے رک گئے۔ مسعود نے دروازہ کھولا۔ سامنے پہاڑی تھی اور اس پہاڑی پر ایک چھوٹا سا مکان تھا۔

مکان کے سامنے دلآویز منظر تھا۔ دریا لہریں مار رہا تھا۔

"آپ نے نہایت اچھی جگہ کا انتخاب کیا ہے۔" میں نے کہا۔

"یہ میرا نہیں ناظمہ کا انتخاب ہے۔ ناظمہ کھانا کھلی فضا ہی میں منگوالو چاندنی میں بیٹھ کر کھائیں گے۔ مالکہ مکان طشتری لئے ہوئے نمودار ہوئی۔ ناظمہ کھانے کے دوران میں پہلے پہلے شرمائی شرمائی سی رہی پھر مجھ سے کھل کر باتیں کرنے لگی۔ ہم دو گھنٹے سے زیادہ دیر تک باتیں کرتے رہے۔ ناظمہ یکایک خاموش ہو گئی۔ اس نے اپنی آنکھیں جھکا لیں۔

"مجھے اب اجازت دیجئے" میں نے تاریکی کو گہرا ہوتے ہوئے دیکھ کر کہا۔

مسعود مجھے دریا تک چھوڑنے کے لئے آیا۔ اس نے وعدہ کیا کہ وہ دوسرے دن میرے ہاں آئیگا۔ دوسرے کنارے پر پہنچ کر میں نے مڑ کر دیکھا۔ تاریکی میں کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ میں خوشبودار فضا میں آہستہ آہستہ گھر کی طرف روانہ ہوا۔ میں نے محسوس کیا کہ میں خوش تھا۔

(۳)

اگلے روز صبح کو جب میں بیدار ہوا تو کوئی میرا دروازہ کھٹکھٹا رہا تھا۔ ایک جانی پہچانی آواز نے مجھے پکارا۔ یہ مسعود تھا۔ ہم دونوں باغ میں آ کر بیٹھ گئے۔ مسعود نے اپنی آئندہ زندگی کے متعلق اپنی تجاویز بتائیں۔ اس کے پاس دولت کی کمی نہ تھی اس لئے وہ بے فکر تھا۔ اُسے تصویر کشی کا شوق تھا۔ وہ کہنے لگا کہ میں اس کے ساتھ جا کر اس کی بنائی ہوئی تصویریں دیکھوں۔ میں فوراً راضی ہو گیا۔

ناظمہ گھر میں موجود نہ تھی۔ معلوم ہوا کہ وہ قلعے کے کھنڈر دیکھنے گئی ہوئی تھی میں نے تصاویر دیکھ کر اپنی آزادانہ رائے کا اظہار کیا۔ مسعود نے بھی اعتراف کیا کہ وہ ابھی فنِ مصوری میں ناتکمل تھا۔ میں نے اس کی حوصلہ افزائی کی کوشش کی۔ لیکن اس نے تصویریں جمع کر کے صوفے پر پھینک دیں۔

"اگر میرے مزاج میں تحمل پیدا ہو گیا تو میں مصور بن جاؤں گا۔ آؤ چلیں ادھر چل

کے ناظمہ کو ڈھونڈیں۔" ہم چل پڑے۔

ویران قلعے کے ہر طرف گھنے درخت تھے۔ قلعہ اور اس کے بُرج امتدادِ زمانہ کے ہاتھوں بالکل تباہ ہو چکے تھے۔ شکستہ محرابوں اور کنگروں میں آڑے ترچھے درخت اگ آئے تھے۔ دفعتاً میری نگاہ ایک عورت پر پڑی جو قلعے کی دیوار پر چڑھ کر دوڑ رہی تھی۔

"یقیناً ناظمہ ہے۔" مسعود چلایا۔ "ناظمہ ناظمہ کیا پاگل ہو گئی ہو؟"

قلعہ کے بائیں طرف تھوڑے سے فاصلے پر ایک چھوٹی سی لکڑی کی دکان تھی۔ اس میں ایک عورت بیٹھی ہوئی کچھ بُن رہی تھی۔ ناظمہ دیوار سے اتر کر بوڑھی عورت کے پاس گئی اور اس سے پانی کا گلاس مانگا۔ ہم دونوں بھی اس کے پاس پہنچ گئے۔

"تمہارا خیال ہوگا کہ میں پینے کے لئے پانی مانگ رہی ہوں۔ مگر یہ بات نہیں دیوار کے اوپر پھول اُگ رہے ہیں۔ جنہیں پانی کی سخت ضرورت ہے۔" ناظمہ بولی۔

ناظمہ پانی لے کر دیوار پر چڑھ گئی۔ وہ پھولوں میں پانی دیتی ہوئی دکھائی دی۔ دفعتاً اس نے ہمیں ہراساں کرنے کے لئے چیخ ماری اور پھر کھکھلا کر ہنس پڑی۔

"بھیڑ کی طرح کودتی پھر رہی ہے۔" دکان میں بیٹھی ہوئی بوڑھی عورت نے اظہارِ خیال کیا۔

ناظمہ شرماتی ہوئی ہمارے قریب آ کر بیٹھ گئی۔ ہم کھنڈروں کا نظارہ کرنے کے لئے چل دئے۔ ناظمہ ہمارے پیچھے پیچھے تھی۔ ناظمہ طفلانہ شوخیوں سے کام لے رہی تھی۔ واپسی پر وہ پہلے سے زیادہ ہنستی اور کھیلتی رہی۔ اس نے اپنے شال کو سر پر پگڑی کی طرح لپیٹ لیا اور درخت کی شاخ توڑ کر اسے بندوق کی طرح کندھے پر رکھ لیا۔ ہمیں ایک انگریز خاندان قلعے کی طرف جاتا ہوا نظر

آیا۔ ناظمہ انہیں تنگ کرنے کے لیے بلند آواز میں گانے لگی۔ ہم گھر پہنچے تو ناظمہ فوراً اپنے کمرے میں چلی گئی اور پھر صرف کھانے کے وقت پر نکلی۔ کھانے کے دوران میں اس نے نہایت تہذیب اور متانت سے کام لیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے سلیمہ کے گھر جانے کی اجازت چاہی جو اس کے بھائی نے فوراً دے دی۔

سلیمہ قصبہ ب۔ کے سابق کپتان کی بیوہ تھی۔ اسے ناظمہ سے محبت ہوگئی تھی۔ یہ سب کچھ مجھے مسعود کی زبانی معلوم ہوا۔ مسعود سے مجھے انس سا ہوگیا وہ سادہ مزاج اور ایماندار تھا۔ اس میں صرف ایک ہی نقص تھا کہ وہ کسرت الوجود تھا۔ ہم دو چار گھنٹوں ہی میں گہرے دوست بن گئے تھے۔

سورج غروب ہوچکا تھا۔ میری واپسی کا وقت ہوچکا تھا۔ ناظمہ ابھی تک واپس نہیں آئی تھی۔

"اگر اجازت دو تو میں تمہیں دریا تک چھوڑ آؤں۔ راستے میں ہی سلیمہ کا گھر ہے۔ وہاں ناظمہ کا پتہ بھی کرلیں گے۔" مسعود نے کہا۔

تنگ گلیوں میں سے گذرتے ہوئے ہم آگے بڑھتے رہے۔ ایک بڑے سے مکان کے دروازے تک جاکر مسعود نے آواز دی "ناظمہ کیا تم ابھی تک یہیں ہو؟"

"ہاں۔ اندر سے شناسا آواز آئی۔

"انور صاحب جارہے ہیں اور تم سے اجازت طلب کرتے ہیں۔"

"میری طرف سے انہیں سلام کہہ دیجیے"۔ ناظمہ خود باہر نہ آئی۔

مکان کو واپس آتے ہوئے میرے دماغ میں سینکڑوں اقسام کے خیالات چکر لگا رہے تھے۔ میں ستم شعار بیوہ کو یاد کررہا تھا۔ جس نے میرے دل پر کبھی نہ مندمل ہونے والے چرکے لگائے تھے۔ میں ہر رات کو اس کے خط پڑھا کرتا تھا۔ آج رات کو اس کا کوئی خط نہ پڑھ سکا۔ رہ رہ کر میری نگاہوں میں ناظمہ کی تصو

پھر رہی تھی۔ اس متلون مزاج لڑکی کا خیال آرہا تھا۔

(۴)

دوسرے دن پھر قصبہ جب۔ میں پہنچا۔ میں نے اپنے آپ کو یہ یقین دلانے کی کوشش کی کہ میں مسعود سے ملنے جا رہا ہوں۔ لیکن مجھے خود فریبی پر ہنسی آگئی۔ میں ناظمہ کو دیکھنے جا رہا تھا۔ دونوں بہن بھائی مجھے نشستگاہ میں بیٹھے ہوئے ملے۔ آج ناظمہ نے بہت سادہ لباس پہنا تھا۔ وہ کشیدہ کاڑھ رہی تھی۔ دفعتاً مسعود نے تصویر کشی کا سامان اٹھایا اور ہم سے اجازت لے کر باہر نکل گیا۔ میں بھی اس کے ساتھ جانا چاہتا تھا لیکن اس نے منع کر دیا۔ پھر نہ جانے کیا سوچ کر اس نے مجھے اپنے ساتھ آنے کی اجازت دیدی۔

جس وادی کی تصویر مسعود کھینچ رہا تھا بے حد حسین تھی۔ میں کتاب کھول کر پڑھتا رہا اور مسعود تصویر بناتا رہا۔ میں کتاب نہ پڑھ سکا۔ میرا ذہن خیالات میں الجھا ہوا تھا۔

گھر آئے تو ناظمہ نے کھانے میں شریک ہونے سے انکار کر دیا کہنے لگی کہ اس نے روزہ رکھا ہوا تھا۔ اور ریاضت کرنیکا ارادہ رکھتی تھی۔ میں بھی جلدی اٹھ کر گھر آگیا۔

اس رات کو میں سوچ رہا تھا کہ ناظمہ عجیب و غریب لڑکی ہے کہ ہر لمحہ نیا رنگ بدلتی ہے۔ مجھے خیال آرہا تھا کچھ بھی ہو وہ مسعود کی بہن نہیں تھی۔

اسی طرح دو ہفتے گذر گئے۔ میں ان سے روزانہ ملتا رہا۔ ناظمہ جان بوجھ کر مجھ سے کتراتی رہی۔ اسکی تمام شوخی مفقود ہو چکی تھی۔ اس کی ہر حرکت سے ایک خاص بے چینی اور اضطراب کی جھلک نمایاں تھی۔ وہ بعض اوقات جرأت سے کام لینا چاہتی لیکن ناکام رہتی۔ وہ میرے سوالات کا مختصر سا

جواب دیتی۔ ایک روز میں نے اسے سستی قسم کا ناول پڑھتے ہوئے پکڑ لیا۔ میں نے اسے انگریزی کا ایک مشہور ناول پڑھ کر سنایا۔ ناظمہ بڑے غور سے سنتی رہی۔ اس کے منہ سے کئی مرتبہ آہ نکل گئی۔

میرا شبہ اب یقین کو پہنچ چکا تھا کہ وہ مسعود کی بہن نہیں تھی۔ ایک شام کو میں وہاں پہنچا تو ان کے گھر کے دروازے کو بند پایا۔ میں شکستہ دیوار کی طرف چل دیا۔ میں آگے بڑھنے ہی والا تھا کہ مجھے ناظمہ کی آواز سنائی دی۔ وہ سسکیاں بھر رہی تھی اور کہہ رہی تھی۔

"میں کسی اور سے محبت کرنا نہیں چاہتی۔ میں صرف تم سے محبت کرنا چاہتی ہوں۔"

"ناظمہ چپ ہو جاؤ۔ تم جانتی ہو کہ میں تمہارا یقین کرتا ہوں۔" مسعود کہہ رہا تھا۔

تھوڑی دیر تک میں بے حس و حرکت کھڑا رہا۔ مجھے خوشی بھی ہو رہی تھی اور رنج بھی۔ اب میں ان سے ملنا نہیں چاہتا تھا۔ میرے قیاسات صحیح ثابت ہو چکے تھے۔ میں ان سے ملے بغیر گھر لوٹ آیا۔

———— (۵) ————

اس رات مجھے نیند نہ آئی۔ میں صبح سویرے اٹھ بیٹھا۔ میں نے اپنا سفری تھیلا پیٹھ پر باندھ لیا اور مالکہ مکان سے کہہ دیا کہ وہ میرا دو تین دن تک انتظار نہ کرے۔ مجھے ناظمہ اور مسعود سے نفرت ہو گئی تھی۔ انہوں نے ریاکاری سے کام کیوں لیا تھا۔ انہوں نے اپنے آپ کو بھائی اور بہن کیوں ظاہر کیا تھا؟ میں سوچ رہا تھا اور تلملا رہا تھا۔

میں نے اپنے آپ کو مکمل طور پر اتفاقات کے سپرد کر دیا۔ میں گرد و نواح

کے قصبات میں تین دنوں تک مارا مارا پھرتا رہا۔ تیسرے دن شام کو میں گھر واپس آگیا۔ میں نے ستم شعار ربیعہ کی یاد کو تازہ کرنا چاہا تھا مگر مجھے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا تھا۔

میں گھر پہنچا تو مجھے مسعود کا پیغام ملا۔ وہ میری اچانک روانگی پر غضب آلود ہو رہا تھا۔ اس نے لکھا تھا کہ میں واپس آتے ہی اس سے ملوں۔ میں اُن سے ملنا نہیں چاہتا تھا۔ لیکن دوسرے دن نہ جانے کیوں میں قصبہ دب۔ میں پہنچ گیا۔

مسعود بڑے تپاک سے ملا۔ مجھے میری تین دنوں کی غیر حاضری پر دوستانہ ملامت کرنے لگا۔ اتنے میں ناظمہ داخل ہوئی۔ وہ میری طرف دیکھ کر منہ چڑانے لگی۔ مجھے اس سے اور بھی نفرت ہوگئی۔ میں نے اپنی مختصر سی عدم موجودگی کی تمام تفصیلات سنائیں۔ ناظمہ آج حد سے زیادہ شوخیاں کر رہی تھی۔ میں نے اُٹھ کر رخصت طلب کی۔ مسعود اصرار کرتا رہا کہ میں تھوڑی دیر اور ٹھہروں۔ میں اکتا چکا تھا۔ مسعود میرے ساتھ اٹھا۔ ہم نے دریا کو عبور کیا اور برگد کے درخت کے نیچے ہماری یادگار گفتگو ہوئی۔

"تمہیں ناظمہ کی حرکات عجیب و غریب نہیں معلوم ہوتیں؟" مسعود نے پوچھا۔

"ہوتی تو ہیں" میں نے جواب دیا۔ مجھے توقع نہیں تھی کہ وہ ناظمہ کے متعلق گفتگو کا آغاز کرے گا ..."

"اگر تمہیں اس کی داستان معلوم ہو جائے تو شاید تمہیں اپنی رائے بدلنا پڑے۔ وہ بہت اچھی لڑکی ہے ..."

"ناظمہ کی داستان۔ تو کیا وہ تمہاری بہن نہیں ہے ...؟"

" وہ میری بہن ہے - میرے باپ کی بیٹی ہے - اچھا تو داستان سنئے - میرے والد اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے - ان کی شادی باہمی محبت کا نتیجہ تھی - ان کی بیوی یعنی میری ماں جلد مر گئی - وہ گوشہ نشین ہو گئے - بارہ برس تک انہوں نے گھر سے قدم باہر نہ نکالا - انہوں نے اپنی تمام تر توجہ میری تعلیم و تربیت پر مرکوز کر دی - میں بھی گھر سے باہر نہ نکلتا - آخر کار میرے چچا نے والد کو مجبور کیا کہ وہ مجھے کیوں درویشانہ زندگی کی ترغیب دے رہے تھے - والد صاحب سے رخصت ہوتے وقت میری آنکھوں میں آنسو آ گئے - میں ایک انگریزی اسکول میں داخل ہو گیا - وہاں سے فارغ ہو کر فوج میں بھرتی ہو گیا - میں ہر سال والد سے ملنے آتا - جس وقت میری عمر بیس سال کی تھی میں حسب معمول والد سے ملنے کے لئے گیا - وہاں ایک پتلی دبلی اور سیاہ آنکھوں والی دوشیزہ کو دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی - یہ ناظمہ تھی - والد نے مجھے بتایا کہ وہ ایک یتیم لڑکی تھی - جس کی پرورش انہوں نے اپنے ذمے لے لی تھی -

پھر ایسا اتفاق ہوا کہ میں چار سال تک، والد سے ملنے کے لئے نہ جا سکا - دفعتاً مجھے جاگیر کے کارندے نے خط لکھا کہ میرے والد بستر مرگ پر دراز تھے - میں اڑ کر گھر پہنچا - والد صاحب پر نزع کی حالت طاری تھی - وہ میری طرف حسرت کی نظروں سے دیکھتے رہے - انہوں نے ملازم کو اشارہ کیا کہ وہ ناظمہ کو لے کر آئے - ناظمہ آئی تو والد نے کہا - " سنو - میں اپنی بیٹی ناظمہ کو تمہارے سپرد کرتا ہوں - تمہیں میرا ملازم سارا حال بتا دیگا -

والد کی موت کے بعد ملازم نے مجھے ناظمہ کی داستان سنائی - وہ ہماری ایک پرانی خادمہ کے بطن سے تھی - میری والدہ کی وفات کے بعد میرے والد کے اس سے تعلقات ہو گئے تھے - میرے والد نے اس سے شادی کی

درخواست کی لیکن وہ والد کی بیوی بننے کو تیار نہ ہوئی۔ وہ خادمہ مرگئی تو والد صاحب ناظمہ کو گھر میں لے آئے۔ ناظمہ نے اپنی زندگی انتہائی سختی میں گذاری تھی۔ ہمارے مکان پر آتے ہی اسے پوری آزادی مل گئی۔ ناظمہ کو معلوم ہو گیا تھا کہ گھر کا مالک اس کا باپ تھا اس لئے اس میں خودنمائی کے ساتھ ساتھ بے اعتمادی بھی پیدا ہو رہی تھی۔

میں نے ابھی چوبیس برس کے ایک نوجوان اور ناتجربہ کار نے ناظمہ کی سرپرستی اپنے ذمہ لے لی۔ والد صاحب کے انتقال کے بعد دو ہفتوں تک وہ مجھ سے خوفزدہ رہی۔ لیکن جب اسے یقین ہو گیا کہ میں نے اسے اپنی حقیقی بہن سمجھ لیا تھا تو وہ مجھ سے مانوس ہو گئی۔ میں نے اسے زنانہ اسکول میں داخل کروا دیا۔ ناظمہ میری جدائی کی تاب نہ لا سکی۔ وہ بیمار پڑ گئی اور مرتے مرتے بچی۔ اس نے چار سال اسکول کے بورڈنگ ہاؤس میں بسر کئے۔ اسکول میں ناظمہ کو تلخ تجربے ہوئے۔ دوسری لڑکیاں اس سے نفرت کرتی تھیں۔ وہ اس کا مذاق اڑاتیں۔ لیکن ناظمہ بھی بلا کی ضدی تھی۔ وہ کسی سے نہ دبتی۔ ناظمہ یونہی سترہ سال کی ہو گئی۔ میں ملازمت سے تنگ آ چکا تھا۔ میں نے استعفیٰ دے دیا۔ ہم دونوں نے سیر و سیاحت اختیار کی۔ میں مصوری کرتا ہوں اور ناظمہ کھیل کود میں مشغول رہتی ہے۔" مسعود مسکرانے لگا۔ "ایک بات اور۔ ابتک کوئی مرد ناظمہ کی توجہات کا مرکز نہیں بنا ہے۔ بڑی مصیبت آئے گی اگر وہ محبت میں مبتلا ہو گئی۔ ابھی چند روز کی بات ہے کہ وہ مجھ سے کہنے لگی کہ اسے میرے سوا کسی اور سے محبت نہیں اور زار و قطار رونے لگی۔"

میں حیرت زدہ رہ گیا اور اپنے ہونٹ کاٹنے لگا۔

"کیا واقعی کوئی مرد اس کی نگاہ پر نہیں چڑھا؟"

"دراصل وہ فوق الفطرت انسان چاہتی ہے۔ کوئی ہیرو" مسعود نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ "آؤ چلیں۔ آج تم بھی ہمارے ہاں چل کر رہو۔"

میں فوراً رضامند ہوگیا۔ مسعود کی داستان سنکر مجھے ہر طرف رنگ و نور بکھرا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔

(۶)

ناظمہ نے ہمارا خیر مقدم ترنم آفریں قہقہوں سے کیا۔ اسکی نگاہوں میں پُر معنی سوال تھا۔ یہ عجیب وغریب لڑکی میری توجہ اپنی طرف کھینچتی چلی جارہی تھی۔

مسعود اپنی تصاویر کو الٹ پلٹ کر دیکھنے میں مشغول ہوگیا۔ میں نے ناظمہ کو سیر کی دعوت دی۔ ہم پہاڑی کے نیچے آدھے راستہ تک گئے اور ایک لمبے چوڑے پتھر پر بیٹھ گئے۔

"آپ چلے کیوں گئے تھے؟" ناظمہ نے سوال کیا۔

"یونہی۔"

"نہیں میرا خیال ہے کہ آپ مجھ سے ناراض ہوگئے تھے۔ اب میں بہت خوش ہوں کہ آپ واپس لوٹ آئے۔"

"میں بھی خوش ہوں کہ میں لوٹ آیا۔"

"آپ مجھے کوئی قصہ کیوں نہیں سناتے؟" ناظمہ نے دفعتاً سوال کیا۔

"کیا سناؤں۔"

"سلیمہ تو مجھے ہزاروں قصے سناتی ہے۔ وہ کہتی ہے کہ یہ جو سامنے چٹان ہے۔ اس پر سے رقیعہ نے کود کر اپنی جان دے دی تھی۔ وہ کسی کی محبت میں گرفتار ہوگئی تھی۔

دور سے مذہبی ترانے کی آواز آنے لگی تھی۔ ناظمہ بولی۔ "دن گذر رہے ہیں زندگی اڑتی جا رہی ہے۔ افسوس کہ ہم کسی کام کے نہیں۔ کاش ہم کوئی عظیم الشان کارنامہ کر سکتے۔"

"آپ تو کسی مقصد کے حصول کے لیے زندگی بسر کرنا چاہتی ہیں اور موت کے بعد کوئی کارِ نمایاں چھوڑ جانا چاہتی ہیں۔"

"کیا یہ ممکن ہے؟"

"ناممکن ہے۔"

تھوڑی دیر کے بعد ناظمہ کے چہرے پر سیاہی چھا گئی اس نے سوال کیا۔ "تمہیں اس خاتون سے کیا بہت محبت ہے جس کی صحت کا جام بھائی صاحب نے پیا تھا۔"

"وہ تو مذاق کر رہے تھے۔"

ناظمہ نے قہقہہ لگایا لیکن چند لمحوں کے بعد ہی اس پر پھر افسردگی طاری ہو گئی۔ "کوئی قصہ سنائیے۔" میں اسوقت اس سے باتیں کرنا چاہتا تھا میری طبیعت افسانہ سنانے کو نہیں چاہتی تھی۔

"رقص کر سکتے ہو؟" اس نے پھر سوال کیا۔

"ہاں" میں نے متعجب ہو کر پوچھا۔

"تو آؤ واپس چلیں۔ بھائی صاحب پیانو بجا کر سنائیں گے اور ہم رقص کرینگے۔"

وہ مکان کی طرف بھاگی۔ آدھ گھنٹے کے بعد تنگ کمرے میں پیانو کی تانیں گونج رہی تھیں۔ میری باہیں ناظمہ کی کمر میں حمائل تھیں۔ ناظمہ کی نیم وا آنکھیں، اسکے لہرانے گھنگریالے بال مجھ پر جادو کر رہے تھے۔ میں گویا خواب دیکھ رہا تھا۔

وہ سارا دن انتہائی مسرت کے عالم میں گذرا۔ ناظمہ کی طبیعت میں بے حد سادگی تھی۔ میں نے اس دن اس کے ساتھ کشتی کی سیر بھی کی۔

---

(۷)

دوسرے دن جب میں قصبہ ب ۔ میں پہنچا تو میں نے اپنے آپ سے سوال کیا کہ مجھے ناظمہ سے محبت ہے کہ نہیں۔ میں ایک ساتھ جو اتفاقیہ شناسائی ہو گئی تھی اس پر بہت خوش تھا۔ کمرے میں داخل ہوا تو مجھے ناظمہ کے چہرے پر سرخی نظر آئی۔ مسعود تصویر بنا رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ ناظمہ کی شگفتگی میں حزن و ملال کی جھلک تھی۔

میں نے پوچھا "آپ ویسی نہیں ہیں جیسی کہ کل تھیں۔"

"نہیں۔ میں وہ نہیں ہوں۔ میں رات کو اچھی طرح سو نہ سکی۔ بلکہ سوچتی رہی۔"

"کیا سوچتی رہیں؟"

"بہت سی باتیں۔ بچپن کی باتیں۔ یہی کہ میری تعلیم ادھوری ہے۔"

"آپ اپنے ساتھ ناانصافی کر رہی ہیں۔"

مسعود ہماری باتوں میں دخل نہیں دے رہا تھا۔ وہ اپنے کام میں مصروف تھا۔

ناظمہ نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اسے مضبوطی سے دبایا۔ اتنے میں مسعود نے مجھے آواز دی اور میں اس کے پاس چلا گیا۔ ناظمہ کمرے سے باہر چلی گئی۔

ایک گھنٹہ کے بعد وہ واپس آئی۔ اس نے مجھے ہاتھ کے اشارے سے اپنے پاس بلایا۔

"اگر میں مر جاؤں تو آپکو رنج تو نہ ہوگا؟" اس نے سوال کیا۔

"یہ آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں۔ آج آپ کو کیا ہو گیا ہے؟"

"میرا خیال ہے کہ میں بہت جلد مر جاؤنگی۔ میری طرف یوں نہ دیکھئے۔

مجھے بعض اوقات آپ سے ڈر لگتا ہے۔"

"کیوں؟"

اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ شام تک یونہی خاموش اور مغموم رہی۔

"سنئیے"! اس نے میرے رخصت ہونے سے قبل پوچھا۔" مجھ سے بدظن نہ ہونا آئندہ میں آپ سے ہمیشہ حقیقت کا اظہار کردیا کرونگی۔"

مسعود بھی ہمارے پاس آ گیا۔ اس نے آتے ہی پوچھا۔" کیا بات ہے آج تم دونوں اداس ہو۔ اگر اجازت ہو تو آج بھی بیانو بجا کر سناؤں ....."

"نہیں نہیں۔ آج نہیں۔" ناظمہ دفعتاً چونک کر بولی۔

میں نے دریا پار کرتے ہوئے سوچا۔" کیا اسے واقعی مجھ سے محبت ہے؟"

(۸)

صبح بیدار ہوا تو وہی سوال پھر ذہن میں آیا۔" کیا یہ ممکن ہے کہ وہ مجھ سے محبت کرتی ہے؟" ناظمہ کی ہنستی ہوئی تصویر میرے سامنے آ گئی۔ اس کے بغیر میرا دل نہیں لگتا تھا۔ میں پھر قصبہ ب۔ میں پہنچا۔ ناظمہ زرد اور نحیف نظر آ رہی تھی۔ اس نے مجھ سے زیادہ باتیں نہ کیں۔ میں رات گئے اپنے گھر واپس آیا۔ ناظمہ کمرے میں بند رہی اور باہر نہ نکلی۔

دوسری صبح کو میں نے اپنا دل بہلانا چاہا مگر بے کیفی سی محسوس کرتا رہا۔ میں یونہی سیر کے لئے باہر چلا گیا۔ واپس آیا تو ایک لڑکا میرا نام پوچھتا ہوا میرے مکان پر پہنچا۔ اس نے میرے ہاتھ میں ایک خط دے دیا۔ یہ ناظمہ کی طرف سے تھا۔

"آپ سے ملنا اشد ضروری ہے۔ آج شام کو قصبہ ب۔ کی خانقاہ میں تشریف لائیے۔ آج میں ایک حماقت کر بیٹھی ہوں۔ خدا کیلئے ضرور آئیے۔

"ناظمہ"

میرا دل دھڑکنے لگا - ایک گھنٹے کے بعد دروازہ کھلا اور مسعود نمودار ہوا -
وہ پریشان تھا -

"کیا بات ہے؟" میں نے پوچھا -

وہ ہنسا اور بولا "میری بہن ناظمہ کو تم سے محبت ہے ... لیکن وہ اپنے آپ کو تباہ کرلے گی - رات وہ سو نہیں سکی - اسے بخار بھی ہوگیا - وہ روتی رہی - وہ تم سے شدت کے ساتھ محبت کرتی ہے - وہ اپنے آپ کو ختم کر رہی ہے میں نہیں چاہتا کہ وہ مرجائے - وہ یہاں سے چلی جانا چاہتی ہے - اگر تمہیں ناظمہ پسند ہے تو اسے بچھڑے جانے کی ضرورت نہیں - میں یہاں اس لئے آیا ہوں کہ پتہ کردوں ..." اس نے تذبذب کا اظہار کیا -

میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا - "ہاں میں ناظمہ کو پسند کرتا ہوں"

"اس کے ساتھ شادی کروگے؟"

"اس وقت میں کیسے کرسکتا ہوں"

"لیکن مجھے ناظمہ سے خوف آتا ہے - وہ بیمار پڑ جائے گی - وہ بھاگ جائے گی - وہ تم سے خفیہ طور پر ملنے کا مطالبہ بھی کرسکتی ہے"

مسعود کے آخری فقرہ نے میرے دل پر بہت اثر کیا - میں چاہتا تھا کہ مسعود کی صاف گوئی کا جواب صاف گوئی سے دوں - میں نے ناظمہ کا خط اسے دکھایا - وہ متحیر رہ گیا - آخرکار باہمی مشورے کے بعد ہم نے فیصلہ کیا کہ میں اس سے ملنے کے لئے ضرور جاؤں - مسعود نے وعدہ کیا کہ وہ ناظمہ پر ظاہر نہیں ہونے دیگا کہ وہ اس کے خط سے آگاہ ہے -

"مجھے تم پر پورا بھروسہ ہے" مسعود نے اٹھتے ہوئے میرا ہاتھ دبایا -
وہ چلا گیا - میں نے اپنے آپ کو بستر پر گرا دیا اور آنکھیں بند کرلیں -

میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اس نے اپنے بھائی سے اپنی محبت کا اعتراف کیوں کر لیا۔ میں کسی نتیجے پر نہیں پہنچ رہا تھا۔ میں اس سے شادی کیونکر کرسکتا تھا۔ وہ ابھی نوعمر تھی۔

(۹)

میں نے وقتِ معین پر دریا عبور کیا۔ دوسرے کنارے پر مجھے وہی لڑکا ملا جو خط لایا تھا۔ وہ میرا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے ایک دوسرا خط میرے ہاتھ میں دے دیا۔ اس خط میں اس نے جائے ملاقات تبدیل کر دی تھی۔ مجھے سلیمہ کے گھر بلوایا تھا۔ میں تھوڑی دیر تک دریا کے کنارے ٹہلتا رہا۔ مجھے ایک دشوار ترین فرض انجام دینا تھا۔ میں ہوٹلوں کا چکر لگاتا ہوا سلیمہ کے مکان پر پہنچا۔

"اس طرف آ جائیے آپ کا انتظار ہو رہا ہے۔" بوڑھی خاتون نے شائستگی کے ساتھ کہا۔

ہم تاریک سیڑھیاں چڑھنے لگے۔ اوپر کی منزل پر پہنچ کر بوڑھی خاتون نے ایک بند دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ میں کمرے میں داخل ہوا۔

کمرہ نہایت تاریک تھا۔ دریچے کے قریب ناظمہ ایک کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے شال لپیٹا ہوا تھا۔ میرے داخلے پر وہ منہ موڑ کر بیٹھ گئی میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ وہ برف کی طرح زرد تھا۔

ہم دونوں خاموش رہے۔ میں اس کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔

"ناظمہ —!" میں نے آہستگی کے ساتھ کہا۔

اس نے آہستہ آہستہ اپنی آنکھیں میری طرف اٹھائیں۔ اس کی آنکھوں میں التجا تھی۔ میں نے جھک کر اس کے ہاتھ پر بوسہ دیا۔ ناظمہ نے میرے سینے

پر سر رکھ دیا۔ اس نے آہ بھری۔ میں اس سے چمٹ گیا۔ دفعتاً مجھے مسعود کا خیال آیا اور میں پیچھے ہٹ گیا۔

"سنو ناظمہ تمہارے بھائی کو معلوم ہے کہ میں تمہیں ملنے کے لئے آیا ہوں۔ وہ ایک ایک بات جانتا ہے۔"

ناظمہ اپنی کرسی سے اٹھنے کا ارادہ کرنے لگی۔ میں نے اسے روکا۔

"تم نے اپنا راز کیوں افشا کر دیا ناظمہ؟" میں نے پوچھا۔

"میں کیا کرتی۔ کچھ بھی ہو۔ میں اب یہاں رہنا نہیں چاہتی۔"

"تم سے جدا ہونا غیر ممکن ہے۔ کیا ہماری جدائی ناگزیر ہے؟"

ناظمہ رونے لگی۔ دفعتاً وہ کرسی پر سے اچھل کر کھڑی ہو گئی اور دروازے میں سے ہوتی ہوئی غائب ہو گئی۔ مجھ پر سکتا طاری ہو گیا۔ اتنے میں سلیمہ اندر داخل ہوئی۔

"کیا ناظمہ چلی گئی؟"

"ہاں۔" میں نے مختصر سا جواب دیا اور اس کے مکان سے باہر آ گیا۔

———— (۱۰) ————

اس رات میں واپس آتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ اس نے بوڑھی سلیمہ کو راضی کرنے میں کتنی مشکل کا سامنا کیا ہوگا اور ادھر میں اپنی سرد مہری سے اسے برہم کر آیا۔ اس خیال کے آتے ہی میں مڑا اور دریا عبور کرنے سے قبل مسعود کے مکان پر پہنچا۔ وہ مجھے دیکھتے ہی گھر سے باہر نکل آیا۔

"ناظمہ گھر میں نہیں۔"

اس نے جواب دیا۔ "نہیں۔"

میں نے اسے بتایا کہ میں اسے سلیمہ کے مکان پر ملا تھا۔ اور تمام واقعہ من وعن سنا دیا۔ کچھ لمحوں تک ہم خاموش بیٹھے رہے اور پھر اسے ڈھونڈنے کے لئے چل پڑے۔ ہم نے اسے کھنڈرات میں، خانقاہ میں، دریا کے کناروں پر ہر جگہ تلاش کیا۔ وہ کہیں بھی نہ تھی۔ میں ناظمہ کو پکارنے لگا۔ میں نے قسم کھائی کہ میں اس سے کبھی جدا نہ ہوں گا۔ میرے پاس وہ اپنے اچھوتے شباب کا نذرانہ لے کر آئی تھی مگر میں نے اسے ٹھکرا دیا۔ "آخر وہ چلی گئی۔" میں نے دل ہی دل میں کہا۔

میں واپس گھر آیا تو میرے دل میں نشتر چبھے ہوئے تھے۔ منہ اندھیرے میں نے پھر قصبہ دب ــ کا قصد کیا یہ دریافت کرنے کے لئے کہ وہ اسے ملی کہ نہیں۔ میں مکان کے نیچے پہنچا۔ ناظمہ کے کمرے میں روشنی تھی مسعود مجھے لینے کے لئے آیا۔

"ناظمہ ملی ؟" میں نے پوچھا۔

"جی ہاں۔ واپس آگئی۔" اس نے سرگوشی کی۔" اپنے کمرے میں کپڑے تبدیل کر رہی ہے۔"

"گھبرائیے نہیں۔ اب سارا معاملہ درست ہو جائے گا۔"

میں مسعود کو بتانا چاہتا تھا کہ میں اس کی ہمشیرہ کے ساتھ شادی کرنے کے لئے تیار ہوں۔ لیکن پھر میں نے سوچا کہ اتنی بھی کیا جلدی ہے۔ کل بتا دونگا۔ مجھے یاد نہیں کہ میں کس طرح گھر پہنچا۔

——— (۱۱) ———

دوسرے دن جب میں مسعود کے مکان پر پہنچا تو اس کی سب کھڑکیاں کھلی تھیں۔ وہاں کوئی بھی نہ تھا۔ وہ جا چکے تھے۔ میرے نام مسعود کی

کی طرف سے ایک خط تھا۔ جس میں اس نے درخواست کی تھی کہ میں ان کی فوری روانگی پر ناراض نہ ہوں۔ خط کے آخر میں اس نے افسوس کا اظہار کیا تھا کہ ان کی شناسائی اس قدر جلد ختم ہو گئی۔ مجھ سے درخواست کی تھی کہ میں ان کی تلاش نہ کروں۔

میری آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا۔ میں انہیں ڈھونڈنا چاہتا تھا۔ میں واپس آ رہا تھا کہ بوڑھی سلیمہ نظر آئی۔ وہ مسکرائی۔ مجھے اس سے نفرت سی ہو چلی تھی۔ اس نے مجھے ہاتھ کے اشارے سے اپنے پاس بلایا اور کہنے لگی کہ اس کے پاس میری ایک چیز تھی۔ اس نے ایک خط مجھے دیا۔ یہ ناظمہ کا تھا۔

" ہماری ملاقات اب کبھی نہیں ہو سکتی۔ کل جب میں آپ کے سامنے روئی تھی اگر آپ ایک لفظ بھی کہہ دیتے تو میں ٹھہر جاتی۔ لہٰذا بہتری اسی میں ہے کہ ہم جدا جدا راستے اختیار کر لیں۔ الوداع!

" ناظمہ "

آہ۔ وہ لفظ میں نے سینکڑوں بار دل میں دہرایا تھا مگر ناظمہ سے نہ کہہ سکا تھا۔ میری قسمت کہ اعترافِ محبت میرے لبوں تک نہ آ سکا۔ میں اسی دن چل پڑا۔

صوبہ د۔ میں پہنچ کر مجھے ناظمہ اور مسعود کا کچھ پتہ نہ چلا۔ میں نے اپنی تلاش جاری رکھی مگر وہ کہیں نظر نہ آئے۔ میں ناظمہ کو نہ دیکھ سکا۔ ناظمہ ہمیشہ کے لئے غائب ہو گئی۔ مجھے یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ زندہ ہے کہ مر چکی ہے۔ مجھے صرف ایک مرتبہ ان واقعات کے ایک سال بعد گاڑی میں ایک صورت نظر آئی تھی جو ناظمہ کی سی تھی۔ لیکن میرا خیال ہے کہ یہ ایک

اتفاقی مشابہت تھی۔

میں اعتراف کرتا ہوں کہ میں نے ناظمہ کا زیادہ عرصہ تک غم نہ کیا۔ میں نے دوسری عورتوں سے دوستی پیدا کی لیکن جو جذبات ناظمہ نے میرے دل میں موجزن کردئے تھے وہ کسی اور سے پیدا نہ ہوسکے۔ مجھے اس کا پھر تجربہ نہ ہوا۔ مجھے کبھی کبھی ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جس ہاتھ پر میں نے ایک دفعہ صرف ایک دفعہ بوسہ دیا تھا۔ وہ قبر کے اندر گل کر مٹی ہوچکا ہے۔

اور میں ۔ میں کیا ہوکر رہ گیا ہوں۔ مجھ میں اب کیا ہے۔

شاہین پبلشرز

- کی مطبوعات اردو ادب کے دامان پے رنگ و بو میں سدا بہار پھولوں کی عطر بیز مسکراہٹیں ہیں
- کی مطبوعات دنیا کے اس بہترین ادب کا نچوڑ ہیں جس نے ہر عہد میں نئے عہد کی بنیاد رکھی۔
- کی مطبوعات سائنسی' فلسفیاتی' کلاسکی اور افادی ادب کا سنگم ہیں۔
- کی مطبوعات میں فکر و تخیل کی تمام بلندیاں اور ذہنی ارتقاء کے تمام مقامات جنت نگاہ بنادئے گئے ہیں۔
- کی مطبوعات انسانی زندگی کے تمام مسائل پر سیر حاصل تبصرہ ہیں۔ ان میں ہر رنگ کے تشنہ کام ادب کی پیاس بجھا دی گئی ہے۔
- کا نصب العین تربیت عوام اور گیسوئے اُردو کی مشاطگی ہے۔
- کے ادارے میں خون آشام سرمایہ دار نہیں ہیں جو خدمت ادب کی آڑ لیکر اپنی فطری ریاکاری سے کام لیتے ہوئے بیخبر عوام اور فرض شناس ادیبوں کو لوٹتے ہیں۔

مطبوعہ زرین پریس لاہور